ماہنامہ
پاکستان

الحقیقہ

مجلہ

قارئین الحقیقہ کو عیدالاضحیٰ مبارک

دسمبر 2007

حج و زیارات اور متعلقات

اداریہ ......

قیام پاکستان کے مخالفین کی وکالت کیوں؟

اتحادِ ملّت کی ضرورت و صورت

احکام و مسائلِ قربانی

اپنی اپنی منزل اپنی اپنی راہ

اُسے والی کہتے ہیں اللہ والے

دل و جاں کیے میں نے اس کے حوالے
سنبھالے میرا آقا ان کو سنبھالے
اُنہیں کے بچانے سے بچتا ہے ایماں
مگر جانتے ہیں یہ ایمان والے
بغاوت نہ کر سرور دوسرا سے
ارے مان کر ان کی ، ان کو منا لے
سوا ان کے ہے کون بیکس کا والی
جو اعدا کو روا کے ، جو طوفان ٹالے
وہ اللہ والا ہے والی سبھی کا
اُسے والی کہتے ہیں اللہ والے
تو دیکھ ان کے جلوے زمین و زماں میں
نظر پہ نہیں ہیں اگر تیری جالے
تو کر التجا ان کے انوار آئیں!
اِنہیں توڑ جو تیرے دل پہ ہیں تالے
یہی ہے بچاؤ کی صورت یہی ہے
کہ لو اُن کے دربار ہی سے لگا لے
تصور میں کر اُن سے فریاد ہر دم
بچا لے مرے آقا! مجھ کو بچا لے
رضا کی زباں میں تو کر التجائیں
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے
جو ہو شیخ راضی تو ممکن ہے آسی
تصور کو تیرے حقیقت میں ڈھالے

﴿حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ﴾

يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

اے نبی ﷺ جہاد کرو کافروں اور منافقوں سے اور ان پر سختی کرو

غلبۂ دینِ حق کی عظیم تحریک شیرانِ اسلام کا ترجمان

ماہنامہ

الحقیقہ

پاکستان

مجلہ

ذوالحج ۱۴۲۸ھ دسمبر 2007 جلد نمبر 8 شمارہ نمبر 1

شیخ طریقت حضور مفکر اسلام

پروفیسر محمد حسین آسی

سرپرست: محمد عطاء الحق نقشبندی حسینی

حاجی عبدالرزاق

مدیر اعلیٰ: سید صابر حسین شاہ بخاری

ممنون احمد آسوی حسینی

شمس الدین نقشبندی

مجلس مشاورت

- علامہ شفقات احمد نقشبندی
- صاحبزادہ نور المصطفیٰ
- ڈاکٹر محمد ظفر اقبال
- محمد ضیاء الدین صدیقی
- محمد اکبر چوہدری ایڈووکیٹ
- اخلاق احمد نقشبندی

قانونی مشیر: محمد عاصم محمود ایڈووکیٹ ہائیکورٹ

مدیر: رام محمد ناظم

فہرست

زرِ تعاون

پاکستان فی پرچہ -/15 روپے سالانہ

بذریعہ ڈاک -/150 فی پرچہ سالانہ چندہ

	فی پرچہ	سالانہ
یورپ	1 پونڈ	10 پونڈ
یو ایس اے	1.5 ڈالر	15 ڈالر
عرب ممالک	3 ریال	30 ریال

لاثانی بک اینڈ کمپوزنگ سنٹر 0542-451997

رابطہ: صوفی محمد آصف نقشبندی انچارج دفتر الحقیقہ نقش لاثانی شکرگڑھ 0542-451737

پبلشر: محمد عطاء الحق نے ... پرنٹرز ... سے چھپوا کر مرکزی دفتر مجلہ الحقیقہ نقش لاثانی شکرگڑھ فون 0542-451734 نارووال سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

یونس-۶۲

ترجمہ: سن لو اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم

کلمۃ الحقیقہ ادار یہ

حج و زیارات اور متعلقات

حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ

ذوالحجہ کے پہلے دس دن:

''الحقیقہ'' کا موجودہ شمارہ اسلامی سال کے آخری مہینے ذوالحجہ سے تعلق رکھتا ہے۔اس مبارک مہینے کے پہلے دس دن تو نہایت ہی بابرکت ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں نیکیاں اللہ تعالیٰ کو ان دس دنوں سے زیادہ پیاری ہوں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے،فرمایا ہاں،سوا اس شخص کے جو اپنا جان و مال لے کر نکلا اور کچھ بھی واپس نہ لایا۔(بخاری شریف)

ایک روایت کے مطابق ان دنوں میں ہر روزے کا ثواب سال کے روزوں کے برابر اور ہر رات کا قیام شب قدر کے قیام کے برابر ہے (ترمذی شریف)

اس مہینے کی نویں تاریخ یوم عرفہ (یعنی روز حج) ہے۔وہ کتنا دلآویز منظر ہوتا ہے۔جب دنیا کے گوشے گوشے سے فرزندان توحید محض اپنے اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے میدان عرفات میں حاضر ہوتے ہیں۔یہی وہ بے مثال سالانہ اجتماع ہے جس کی پیشگوئی اللہ ذوالجلال نے خلیل علیہ السلام سے فرمائی تھی۔یعنی جب انہوں نے تعمیر کعبہ مکمل کر لی تو حکم ہوا۔

واذن فی الناس بالحج یا توک رجالا و علیٰ کل ضامر یا تین من کل فج عمیق. (سورۃ الحج)

ترجمہ:اور لوگوں میں حج کی ندا عام کرے۔وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے۔پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر جو ہر دور کی راہ سے آتی ہیں۔

چنانچہ تفسیروں میں درج ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوہ بوقبیس پر کھڑے ہو کر چاروں طرف ایک ایک بار آواز دی اللہ کے بندو! الہ کے گھر کی طرف آجاؤ۔قیامت تک پیدا ہونے والوں نے یہ آواز سنی۔جس نے جتنی بار لبیک کہا۔اتنی بار حج کرے گا۔اور جو خاموش رہا۔حج سے محروم رہے گا۔(روح البیان)

سائنس اور معجزہ:

عقل خود سر اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پہاڑ پر کھڑے ہو کر آواز دی تو دنیا کے کونے کونے تک کیسے پہنچ گئی۔ غور کریں اس میں اب تعجب کی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ اگر انسانی ذہانت کے ایجاد کردہ ریڈیو اور ٹی وی دنیا کے طول وعرض میں آواز پہنچا سکتے ہیں۔ تو انسان اور اس کی ذہانت کا خالق اپنے خلیل علیہ السلام کی آواز زمین کے کناروں تک کیوں نہیں پہنچا سکتا۔

ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو معجزہ دکھایا وہی کرشمہ سائنسدان دکھلا دیں تو نبوت کی سائنس پر کیا برتری رہ گئی اور وہ کام جو نبی کے سوا دوسرے بھی انجام دے سکیں، معجزہ ہی کیونکر ہوا۔ جواب یہ ہے کہ سائنسدانوں نے جو کچھ کیا، اسباب وذرائع پر مبنی ہے اور نبی اللہ (علیہ السلام) کا کام ان (اسباب) سے بالاتر ہے۔ (یعنی سائنس وسائل کی محتاج ہے اور نبوت ان کی محتاج نہیں۔ وہ تو خود خالق کائنات کی بارگاہ میں کائنات کا سب سے بڑا وسیلہ ہے) دیکھیئے ریڈیو اور ٹی وی پر اعلان کرنے والے بھی ان سے الگ تھلگ ہو کر آواز دیں تو معمول کے مطابق چند گز تک ہی جائے گی۔ اور ریڈیو، ٹی وی کی نشریات سن بھی وہی سکتا ہے جس کے پاس ان کے سیٹ ہوں۔ مگر سیدنا ابراہیم علیہ السلام بغیر کسی آلے کے دنیا کے اطراف وجوانب میں آواز پہنچا رہے ہیں اور سننے والے بھی بغیر کسی ظاہری ذریعے کے سن رہے ہیں۔ پھر اور فرق بھی ہے۔ سائنسی آلات سے سننے والے اسی دنیا کے جیتے جاگتے انسان ہیں۔ جب کہ نبوت کی آواز عالم اجسام میں بھی سنی جارہی ہے۔ عالم ارواح میں بھی۔

سائنسی ترقی اور انسانی ترقی

یاد رہے وائرلیس، ریڈیو اور ٹی وی جیسی ایجادات دراصل سائنس کی ترقی کا کرشمہ ہیں۔ ان کا انسان کی ترقی سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ انسان کی ترقی تو یہ ہے کہ ایمان وعرفان کی بلندیوں پر پہنچ کر اپنے رب کا مظہر کامل بن جائے اور دنیا کے اسباب وآلات کا محتاج نہ رہے۔ خدائی جلال کے جلوے اس کے دست وپا اور چشم وگوش سے ظاہر ہوں اور وہ بشر ہو کر بھی بشریت سے آزاد ہو۔ بقول اقبال علیہ الرحمہ

ہاتھ ہے اللہ کا ، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کارکشا ، کارساز
خاکی و نوری نہاد ، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی ، اس کا دل بے نیاز

یہ ترقی نبوت اور نبوت کی اطاعت سے مختص ہے۔ بندۂ رب اسباب کا محتاج نہیں بلکہ اسباب اس کے توسل کے محتاج ہوتے ہیں۔ وہ خالق اسباب کی قدرت وتقدیر کا نمائندہ ہے اور اسباب ونتائج کی یہ دنیا اس کی نظر میں بالکل بے حقیقت ہے۔ علامہ اقبال کا فلسفہ خودی اسی نکتے کے گرد گھومتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلماں — مومن ہے تو ہے آپ وہ تقدیر الٰہی!
مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا — خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے
جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا — تو کر لیتا ہے یہ بال وپر روح الامیں پیدا

حقیقت یہ ہے کہ جوں جوں انسان ان اسباب کے جال سے آزاد ہو کر خالق اسباب سے لولگاتا جاتا ہے۔ خدا کی قدرت بھی اس کیلئے زمان ومکاں اور علت ومعلول (سبب اور نتیجہ) کے عام پیمانے توڑتی جاتی ہے۔ آپ صرف اسی کی رضا کو مدنظر رکھیں اور اس کے مقابلے میں کسی مصلحت کا شکار نہ ہوں تو وہ بھی ہر قیمت پر تمہاری کامیابی ہی کو مقدر فرمادے گا اور آپ کے لئے وہ قواعد وضوابط جنہیں لوگ قوانین قدرت سمجھتے ہیں بدل دے گا۔ اصل میں بندے کا ''بندہ'' بننا ہی مشکل ہے۔ ورنہ وہ تو رب ہے، کریم وقدیر ہے۔ بندگی کا ذوق میسر ہو تو ہر وقت اس کی ربوبیت، کرم وقدرت کے جلوے دیکھے جاسکتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام بندے کو بندہ بنانے کے لئے ہی تشریف لائے اور جو سچے دل سے ان کے غلام بن گئے۔ بندگی سے مشرف ہو گئے۔ ہم ان کامل بندوں کے آستانوں پر حاضر ہوتے ہیں تو اسی دولت کے حصول کی خاطر۔ اقبال علیہ الرحمہ نے انہی کا پتہ دے دیا

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نعرہ توحید:

حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ساری سیرت بار بار یہی سبق دیتی ہے کہ تم بندہ بن کر دکھاؤ۔ وہ اپنی خدائی شان سے تمہاری حمایت فرمائے گا۔ آپ نے اپنے گھر بار، گلی بازار، نمرود کے دربار حتیٰ کہ دیار وامصار میں خدائے وحدہ لاشریک لہ کی توحید کا ڈنکا بجایا اور کہیں بھی کسی خوف، لالچ یا مصلحت کو قریب نہ پھٹکنے دیا تو رب قدیر نے بھی اپنے خلیل علیہ السلام کا ایسا ساتھ دیا کہ سبب اور مسبب کے سارے رشتے لرزہ براندام ہو گئے۔ مثلاً دیکھئے خدائی کے جھوٹے مدعی نمرود نے جو سرمایہ داروں، عقل پرستوں اور مصلحت کیشوں کا خدا بنا بیٹھا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو (معاذ اللہ) سزا دینے کے لئے کتنا بڑا آتش کدہ تیار کیا۔ روایات میں آتا ہے۔ کہ ایک پورا مہینہ لکڑیاں اکٹھی کی گئیں اور پھر انہیں آگ لگائی آخر کیوں؟ ایک انسان کو جلانے کے لئے تو چند لکڑیاں اور تھوڑی سی آگ ہی کافی ہے۔ شاید یہ اس کے جذبہ انتقام کا کرشمہ تھا یا وہ ڈرتا تھا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کا رب جس کے کمالات قدرت کا چرچا آپ عموماً کرتے ہی رہتے ہیں کہیں تھوڑی سی آگ کو بجھا ہی نہ دے (نا ہنجار نمرود کو اس خدا کی قدرتوں کا کیا علم ہو سکتا تھا جس کے حبیب اعظم ﷺ نے مکہ معظمہ میں ظہور فرماتے ہی ایران کا ہزار سالہ آتش کدہ بجھا دیا) اس آگ کے قریب جانا تو مشکل تھا۔ جناب ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق میں رکھ کر اس میں پھینکا گیا۔ پھر کیا ہوا۔

خدا خود فرماتا ہے:۔

قلنا ینار کونی بر دا و سلما علی ابراهیم (سورۃ الانبیاء)

ترجمہ: ہم نے فرمایا ''اے آگ ٹھنڈی اور سلامتی ہو جا ابراہیم پر

آگ کی فطرت میں جلانا ہے۔ سب کو جلاتی ہے یہ جلانے کی قوت وعادت اسے رب نے بخشی ہے۔ مگر ابراہیم علیہ السلام کے لئے اس کی قوت وعادت کا قانون بدل گیا۔ کیونکہ آگ کا مالک وخالق اپنے خلیل کو سچا اور اس کے دشمنوں کو رسوا وذلیل کرنا چاہتا ہے۔ خود فرماتا ہے۔

وار ا د وابه کیدا فجعلنهم الا خسرین ۔(سورۃ الانبیاء)

ترجمہ: اور انہوں نے اس کا برا چاہا تو ہم نے انہیں بہت بڑا نقصان اٹھانے والا بنا دیا۔

کسی اور کے لئے تو آگ ٹھنڈی نہ ہو اور اللہ کے مقبول کو ذرہ بھر نقصان نہ پہنچائے ۔ یہی بات تو اس حقیقت کا اعلان کرتی ہے کہ آگ کا بلکہ سب کا پیدا کرنے والا ایک اور صرف اللہ ہے ۔ دیکھئے کمال نبوت سے دلیل توحید کتنی نکھر جاتی ہے اور یہ انبیائے کرام علیہم السلام کے کمالات و معجزات ہی تو تھے جنہیں دیکھ کر شرک میں بری طرح پھنسے ہوئے لوگ خدا کی توحید کے قائل ہیں ۔

ذرا اس واقعہ کے پس منظر پر بھی نظر ڈالئے ۔ لوگ میلہ دیکھنے جاتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بڑے مندر کے تمام بت ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں اور کلہاڑا سب سے بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیتے ہیں ۔ وہ میلے سے واپس آکر اپنے خداؤں کی تباہی دیکھتے ہیں تو سٹپٹا جاتے ہیں ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت دشمنی انہیں معلوم تھی ، آپ سے پوچھتے ہیں تو جواب ملتا ہے ۔ ان کے بڑے نے کیا ہوگا وہ بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو ۔ انہیں اپنی حماقت پر ندامت تو ہوتی ہے مگر توبہ اور قبول حق کی بجائے پھر اسی ڈگر پر آ کر کہتے ہیں ۔

لقد علمت ما هو لاء ينطقون (الانبياء)

ترجمہ: تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ بولتے ہیں اس پر

قال اتعبدون من دون الله مالا ينفعكم شيئا و يضر كم ، اف لكم و لما تعبد ون من دون الله افلا تعقلون .

یعنی (ابراہیم علیہ السلام) نے فرمایا '' کیا اللہ کو چھوڑ کر اس چیز کو پوجتے ہو جو تمہیں نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے ۔ تف ہے تم پر اور ان بتوں پر جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ۔ تو کیا تمہیں عقل نہیں ۔

کہنا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بتوں کی بے بسی کو دلیل بنا کر انہیں نا قابل عبادت ٹھہرا رہے ہیں اب ضروری ہے کہ ان کے سچے خدا کی یہ شان ظاہر ہو کہ وقت کی ایک بڑی طاقت کے مقابلے میں وہ اپنے خلیل علیہ السلام کا بال بیکا نہ ہونے دے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کر گزرا ۔ بتوں کی بندگی کا فائدہ نہیں ہو سکتا (کیونکہ وہ بے بس ہیں) نمرود کی عبادت سے رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہیں ، وہ زیادہ سے زیادہ کچھ دنیوی سہولتیں دے سکتا ہے وہ بھی اگر خدا چاہے ورنہ اس کے پاس کیا ہے؟ اور اگر سچے خدا کی خوشنودی و عبادت سے بھی ظاہراً کوئی فرق نہ پڑے تو مشرکوں کا ذہن صاف کرنے کی کونسی صورت ہوگی؟ نکتہ رس غالب نے کیا خوب کہا ہے :۔

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں میرا بھلا نہ ہوا؟

گویا نمرود و فرعون ، سنگ و شجر اور گائے بیل کی عبادت سے کیا حاصل؟ ہاں سچے خدا سے تعلق جوڑ ، پھر دیکھ اس کی رحمت تجھے کس طرح پناہ میں لیتی ہے؟ اور اب اس کی ایک ہی صورت و شرط ہے ۔

من يطع الرسول فقد اطا ع الله

ترجمہ: خدا کی عبادت کی یقینی صورت یہ ہے کہ جناب خاتم الانبیاء علیہم السلام کا اطاعت گزار بن جا اور اس کا بندہ بننا ہے تو پہلے اس کے حبیب لبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بندہ (یعنی غلام) بن

بندہ سرکار ہو پھر کر خدا کی بندگی !
ورنہ اے بندے خدا کی بندگی اچھی نہیں!

حضرت اقبال جواب شکوہ کے آخر میں خدا کی طرف سے پیغام دیتے ہیں۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

بہر حال یہ ایمان، یہ اخلاص اور یہ بندگی نصیب ہو تو آج بھی آگ گلزار بن سکتی ہے۔

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ایمانی قوت اور اس کی برکت کا مظاہرہ بعد میں بھی ہوتا رہا۔ مثلاً نبوت کے جھوٹے مدعی اسود بن قیس (یمنی) نے حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کو بہت بڑی آگ میں ڈالا تو وہ بھی آپ کو نقصان نہ پہنچا سکی۔ حضرت خولانی چند سال بعد مدینہ طیبہ میں آئے (اور یہاں نہ انہیں کوئی جانتا تھا نہ اس واقعے سے کوئی باخبر تھا) تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خود آپ کا واقعہ سنا دیا اور لوگوں سے آپ کا تعارف کرایا (حالانکہ بظاہر آپ بھی ان سے واقف تھے نہ اس واقعے کے گواہ) نیز فرمایا

الحمد لله الذی لم یمتنی حتی ارانی فی امة محمد ﷺ شبیها بابر اهیم الخلیل علیه السلام

ترجمہ: اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے موت نہیں دی۔ جب تک حضور سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی امت کا وہ شخص دکھا نہیں لیا جو حضرت ابراہیم خلیل کے مشابہ ہے۔ (ازالۃ الخفا)

خلیل علیہ السلام کی سیرت:

بات یہ ہو رہی تھی کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ساری داستان حیات ایسے ہی اخلاص و استقامت کے واقعات سے پر ہے خود خدا فرماتا ہے

و اذ ابتلی ابر اهیم ربه بکلمت فاتمهن قال انی جاعلک للنا س اماما.

ترجمہ: اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں (رب نے) فرمایا۔ میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔

چنانچہ یہ امتحان بھی کتنا سخت تھا کہ اپنی اہلیہ اور ننھے سے بچے کو بغیر کسی ظاہری سہارے کے اللہ کے توکل پر اسی کے حکم پر چھوڑے جاتے ہیں۔ عقل ظاہر بین کے نزدیک یہ دل ہلا دینے والا واقعہ ہے۔ مگر جس کی اطاعت مقصود تھی اس نے ان کے لئے زمزم کا چشمہ جاری کر دیا (اخلاص و توکل ایسا ہو تو ثمرہ بھی ایسا) یہی اکلوتا بیٹا جوان ہوا تو اسے ذبح کرنے کا فرمان صادر ہوا۔ باپ، ماں اور بیٹا اس آزمائش میں بھی پورے اترے تو عین ذبح کے وقت جبرائیل علیہ السلام نے رضائے خداوندی کا سرٹیفکیٹ دیا اور ان کے بجائے جنتی دنبہ ذبح کیا گیا۔

حفیظ جالندھری فرماتے ہیں۔

مشیت کا مگر دریائے رحمت جوش میں آیا
ہوئے جبریل نازل اور تھا ہاتھ حضرت کا

کہ اسماعیل کا اک رونگٹا کٹنے نہیں پایا

کہا بس امتحان مقصود تھا ایثار و جرات کا

ابراہیم علیہ السلام کی یہی چمکتی سیرت ہے جس نے انہیں قوموں کا پیشوا بنوایا۔۱۰،۱۱،۱۲ ذی الحجہ کو قربانی منیٰ میں ہو یا کہیں اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعے کی یاد تازہ کرتی ہے۔خود حضور ہادی اعظم ﷺ سے صحابہ کرام علیہم الرضوان نے پوچھا **یا رسول اللہ ! ماھذہ الاضاحی** (یہ قربانیاں کیا ہیں) فرمایا: **سنۃ ابیکم ابراھیم علیہ السلام** (تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں)

ظاہر ہے محض جانور ذبح کرنے سے بات نہیں بنتی۔اصل کام ان کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنا ہے اور ان کی سیرت کے دریا میں غوطہ زن ہو کر اخلاص کے موتی چننا ہے۔قرآن فرماتا ہے۔

لن ینال اللہ لحو مھا ولاد ماء ولکن ینا لہ التقویٰ منکم

ترجمہ: اللہ کو ان کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے۔اسے پہنچتا ہے تمہاری طرف سے تقویٰ

یونہی حج اور مناسک حج سے مقصود ان کی ظاہری ادائیگی نہیں بلکہ قلب و نظر اور فکر و عمل کی طہارت ہے۔چنانچہ سید الاولیاء حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں۔

صوفیاء کا حج: ایک شخص حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ بولا حضور حج کر کے، پھر یہ سوال جواب ہوئے۔

حضرت جنید علیہ الرحمہ:۔ جب تو گھر سے نکلا اور وطن سے کوچ کیا تو اپنے گناہوں سے بھی کوچ کیا یا نہیں؟

حاجی صاحب! حضور یہ تو نہیں کیا۔

حضرت جنید: تو پھر گھر سے نکلا ہی نہیں۔اچھا جب تو نے گھر سے نکل کر مختلف منزلیں طے کیں تو طریقت کے مقام بھی طے کئے کہ نہیں۔

حاجی صاحب: اس کا مجھے علم ہی نہیں تھا۔

حضرت جنید علیہ الرحمہ:۔تو پھر تو نے منزلیں بھی طے نہیں کیں۔اچھا جب تو نے میقات میں احرام باندھنے کے لئے پہلے کپڑے اتار دیئے تھے، کیا صفات بشریت سے بھی علیحدگی اختیار کی تھی؟

حاجی صاحب: حضور یہ بھی نہیں ہوا۔

حضور جنید علیہ الرحمہ: تو مطلب یہ ہوا کہ تم نے احرام بھی نہیں باندھا۔اچھا جب تم نے عرفات میں وقوف کیا، تجھے کشف و مشاہدہ کا فرق معلوم ہوا۔

حاجی صاحب: حضور یہ بھی نہیں ہوا۔

حضرت جنید علیہ الرحمہ: تو گویا عرفات میں کھڑا بھی نہیں ہوا۔اچھا تو مزدلفہ پہنچ کر تو نے اپنی تمام نفسانی مرادیں ترک کر دیں؟

حاجی صاحب: نہیں آقا نہیں

حضرت جنید علیہ الرحمہ: تو گویا تو مزدلفہ بھی نہیں پہنچا۔اچھا تو جب تو نے طواف بیت اللہ کیا۔کیا سر کی آنکھ سے مقام تنزیہ میں جمال حق کے لطائف دیکھے؟

حاجی صاحب: حضور مجھے یہ تمیز ہی نہیں تھی۔

حضرت جنید علیہ الرحمہ: اچھا تو نے طواف نہیں کیا۔ ہاں یہ بتا کہ صفا و مروہ کی سعی میں صفا کا مقام اور راہ حق پر گزرنے کا درجہ معلوم ہوا۔

حاجی صاحب: نہیں ایسا نہیں ہوا۔

حضرت جنید علیہ الرحمہ: تو تو نے ابھی صفا و مروہ کی سعی بھی نہیں کی۔ ہاں بتا منیٰ میں تیری ہستی فنا ہوئی۔

حاجی صاحب: نہیں حضور! مقام حاصل فنا نہیں ہوا۔

حضرت جنید علیہ الرحمہ: تو گویا تو منیٰ بھی نہیں گیا۔ اچھا قربانی کرتے وقت اپنی نفسانی خواہشات کو بھی قربان کیا۔

حاجی صاحب: حضور ایسا نہیں کیا۔

حضرت جنید علیہ الرحمہ: گویا تو نے قربانی بھی نہیں کی۔ اچھا جب تو رمی جمار (شیطان کو پتھر مارنے) میں مصروف تھا۔ اپنی خواہشات بھی پھینکیں۔

حاجی صاحب: ! نہیں حضور

حضرت جنید علیہ الرحمہ: تو تو نے رمی بھی نہیں کی، بلکہ حج ہی نہیں کیا۔ واپس جا اور ایسا حج کر جو ہم نے تجھے بتایا ہے۔ پھر ہی تو سنت ابراہیم پر عمل کرنے کا حق ادا کر سکے گا۔

سیرت امام الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام:

مکہ معظمہ کے طول و عرض اور گرد و نواح میں سیرت ابراہیمی کے جلوے ہی نظر نہیں آتے۔ ہمارے نبی حضور سید عالم نور مجسم ﷺ کے انوار و تجلیات بھی اس ''البلد الامین'' (امن والے شہر) کو روشن کیے ہوئے ہیں۔ سرکار ابد قرار گیتی مدار ﷺ یہیں رونق فزائے عالم ہوئے اور یہیں مبعوث۔ بعثت کے بعد تیرہ سال کا عرصہ جن زہرہ گداز آلام و مشکلات میں گزارا کسی سے مخفی نہیں۔ اور تو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوری عمر پر پھیلے ہوئے امتحانات جن کا ذکر اوپر ہوا۔ شاید کسی ایک دن سے بھی سخت نہ ہوں جو تاجدار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بعثت کے بعد مکہ معظمہ میں گزارا۔ شعب ابی طالب کا واقعہ پورے تین سال پر محیط ہے۔ بہر حال حج کے دوران سیرت طیبہ کا یہ پہلو بھی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی سیرتوں سے بدرجہا زیادہ تابناک سامنے آتا ہے۔ اور ایمان و ایقان کو جلا بخشتا ہے۔ حج کا اصل مقصود بھی تو یہی چلا ہے۔ زمزم اور کھجوریں، مصلیٰ اور تسبیحات نہیں۔ حضرت اقبال فرماتے ہیں

زائران کعبہ سے اقبال یہ پوچھے کوئی
کیا حرم کا تحفہ زمزم کے سوا کچھ بھی نہیں

سفر مدینہ منورہ:

مکہ معظمہ حرم خلیل علیہ السلام ہے تو مدینہ منورہ حرم حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ یہاں کعبہ مقدسہ ہے تو وہاں گنبد خضریٰ۔ کعبہ کا غلاف سیاہ ہے تو روضہ پر نور کا رنگ سبز۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ اس سے کیا خوب نتیجہ نکالتے ہیں۔

کعبہ دلہن ہے ، تربت اطہر نئی دلہن

یہ رشک آفتاب ، وہ غیرت قمر کی ہے
سر سبز و صل یہ ہے ، سیہ پوش ہجروہ
چمکی دوپٹوں سے ہے جو حالت جگر کی ہے

مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے امتی اس احساس تشکر سے سرشار ہوتا ہے کہ وہ اس مالک ومولیٰ محسن ومربی، دلدار وغمخوار (ﷺ) کی بارگاہ میں حاضر ہورہا ہے۔جس کے صدقے سے اسے ایمان، عرفان، قرآن بلکہ رحمان ملا ہے۔یہی احساس اس کے ایمان کی دلیل ہے اور اسی پر اس تعلق کی بنیاد ہے جو امتی کو اپنے نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہونا چاہئے۔اگر یہ تعلق نہیں تو جانا مفید نہیں بلکہ شاید مضر ہو۔بقول حضرت راقب علیہ الرحمہ

مدینے کا ارادہ ہے تو پیدا عشق احمد کر تعلق نہ ہو جس سے، اس کے گھر جانا نہیں اچھا

یہی وہ دربار گوہر بار ہے جس کے متعلق حضرت عزت بخاری فرماتے ہیں۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

روضہ سرکار دو عالم ﷺ کے پاس حاضر ہونے والے تجھے مبارک ہو۔اس وقت تو کائنات کے مقدس ترین مقام پر حاضر ہے جہاں ستر ہزار فرشتے صبح کو آتے ہیں تو شام کو واپس چلے جاتے ہیں اور شام کو مزید ستر ہزار آتے ہیں۔تو صبح لوٹ جاتے ہیں۔تو بار بار جا تجھے اجازت ہے۔بار بار مانگ مگر انہی کو مانگ، انہی سے مانگ، یہ مل گئے تو خدائی مل گئی خدا مل گیا۔

مل گئے مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور کیا چاہئے

یوم سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ:

اسی ماہ ذوالحجہ کی ۸، ۱۲، ۱۷ یا ۱۸ تاریخ کو (مختلف روایات کے مطابق خلیفہ سوم داماد رسول، صاحب ہجرتین حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا یوم شہادت ہے، آخری تاریخ، زیادہ مشہور ہے لہذا اسی دن کو یوم عثمان کے طور پر منانا زیادہ مناسب ہے) آپ تیسرے خلیفہ راشد ہیں اور خلیفہ راشد کا تصور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ جیسے اکابر نے یہی دیا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ سے ہی ہدایت لے کر جملہ پروگرام بناتا ہے۔اس کے افعال کی ذمہ داری خود اللہ کے محبوب ﷺ پہ ہوتی ہے اور اس کی اطاعت گویا اطاعت رسول ﷺ ہوتی ہے۔ حدیث پاک ہے۔

فعليكم بسنتي و سنة الخلفآء الراشيدن المهدين تمسكوا بها و عضو عليها بالنواجد (ابوداؤد)

ترجمہ: تم پر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا ضروری ہے اس پر بھروسہ کرو اور ان پر دانتوں کے سیلے جمادو۔

اگر خلافت راشدہ کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے تو ظاہر ہے خلیفہ راشد پر اعتراض گویا خود سرور عالم ﷺ پر ہے۔آغاز اسلام ہی سے ایک فریق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دشمن رہا ہے ابھی ان کی بدزبانی دل وجگر کو زخمی کر رہی تھی کہ مولانا مودودی خلافت وملوکیت لکھ کر جلتی پر تیل چھڑک دیا۔تاریخی روایات کو اس اہتمام سے جمع نہیں کیا گیا جس طرح احادیث پاک کو لہذا سب سے زیادہ ہمارا یقین وعمل تو کتاب وسنت پر ہونا چاہئے، اللہ کریم ہمیں حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ، اہل بیت وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا غلام رکھے۔

اتحاد ملت

کی ضرورت و صورت

قسط:13

حضور مفکر اسلام
پروفیسر محمد حسین آسی
علیہ الرحمہ

شہزادہ عبداللہ کے مزید ارشادات:

حقیقت یہ ہے کہ ۲۰۔اکتوبر ۲۰۰۳ء کے نوائے وقت لاہور میں شہزادہ صاحب کی تقریر دلپذیر سن کر دل باغ باغ ہوگیا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے نجد کے وحشت خیز بہار نا آشنا خارزاروں سے مدتِ دراز کے بعد نسیم خوشگوار آئی ہے۔ نجانے وہ کونسا زمانہ تھا جس کو سامنے رکھتے ہوئے مولائے روم علیہ رحمۃ القیوم نے فرمایا تھا۔

باز گواز نجد و از یاران نجد
تا در و دیوار را آری بوجد

یعنی: نجد اور یارانِ نجد کی باتیں پھر سنا تا کہ در و دیوار وجد میں آجائیں،

میں نے بیس پچیس سال پہلے عرض کیا تھا

کبھی ہوگی تو ہوگی اس کو بھی نسبت محبت سے
مگر افسوس اب تو نجد میں وحشت ہی وحشت ہے

اس تلخ و شور و بیابانی سرزمین کا فرزند ہو کر شہزادہ عبداللہ کا یہ خوش کن خطاب ہمارے لئے پیغام نوید و محبت ہے۔ خداوند کریم اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل اسے قبول فرمائے، شہزادہ صاحب کو مزید حق گوئی وحق بینی کی توفیق بخشے اور عالم اسلام جن خطرات سے دوچار ہے، اسے ان سے نکالنے کی کوششیں کامیاب ہوں۔ مگر ہم بڑے خلوص سے عرض کریں گے کہ اگر یہ وجد آفریں تقریر واقعی ان کی اپنی ہے تو انصاف سے فیصلہ کریں دورِ حاضر میں ملت کو پارہ پارہ کرنے والے کون لوگ ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے۔

''جو لوگ اسلام کا دعویٰ کر کے معصوم لوگوں کو قتل کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم اسلام کی خاطر ایسا کر رہے ہیں، وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اسلام دوسروں کے حقوق تسلیم کرتا ہے''۔

شہزادہ صاحب! ہم سو فیصد آپ سے متفق ہیں مگر یہ بھی تو نوٹس لیں قاتل کون ہیں؟ حق بات تو یہ ہے کہ جس طرح آپ کے آباء نے معصوم لوگوں کا کشت و خون کر کے سلطنت عرب پر قبضہ کیا تھا، اُسی سے بہت سے لوگوں نے ملکوں پر قبضہ کرنے کا طریقہ وسلیقہ سیکھا اور اب تک مختلف ناموں سے عسکری تنظیمیں بنا کر 'جہاد' کا نعرہ لگایا اور جو شخص اس ماحول کو سمجھتا ہے وہ اس ''جہاد'' کی غرض و غایت سے ناواقف نہیں بلکہ سب اہل نظر

جانتے ہیں۔ہاں!

'جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے ،باغ تو سارا جانے ہے'

برا نہ مانئے آپ کے مورثوں سے پہلے اسلامی خلافت کا نام یا ڈھانچا ضرور موجود تھا اور اُسے دنیائے اسلام کی عظیم مرکزی قوت سمجھا جاتا تھا۔اسلام دشمن اس سے سخت خائف تھے ،انھوں نے مختلف جاسوس تیار کئے جن میں سے کوئی لارنس آف عریبیا بن کر آیا اور کوئی ہمفرے۔سب نے خود کو 'عربی' ظاہر کر کے اسلامی خلافت کے خلاف عرب کے باسیوں کو بھڑ کایا۔اسلام کے دشمن تو ایک لمبی مدت سے اسلام کو(معاذ اللہ) صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے مسلمانوں کی اس اجتماعی قوت کے مرکز کو برداشت نہیں کرتے تھے۔انھوں نے ان سازشوں کے لئے الگ وزارتیں بنائیں، عورتوں اور مردوں کی تربیت کی اور انھیں عرب ممالک میں وسیع پیانے پر بھیج دیا۔ہاں ہاں!انگریزوں سے ساز باز کرنے میں سب سے آگے آنجناب کے مورث ہی تھے، دیکھئے ان کا غلامانہ معاہدہ جو انھوں نے انگریزوں کے ساتھ کر کے حکومت حاصل کی تھی۔جناب محمد نجم مصطفائی صاحب لکھتے ہیں۔

ترک حکومت کے خاتمے کے بعد ابن سعود اپنے نجدی لشکر جرار کے ساتھ ایک فاتح کی حیثیت سے حجاز میں داخل تو ہو گیا مگر اس کی اور اس کی سلطنت کی حیثیت ،برطانوی حکومت کے آگے ایک کٹھ پتلی سے زیادہ نہ تھی اور اس کی غلامانہ حیثیت کا اندازہ اس نا قابلِ تردید معاہدے سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو نجدیوں اور انگریزوں کے درمیان ۱۹۱۵ء میں ہوا۔یہ معاہدہ سعودی حکومت کے قائم ہونے سے پہلے ہوا۔معاہدے کی دفعات حسب ذیل ہیں

دفعہ اول: حکومت برطانیہ اعتراف کرتی ہے کہ علاقہ جات نجد،جلیل اور خلیج فارس کے ملحقہ مقامات جن کی حد بندی بعد کو ہو گی۔یہ سلطان ابن سعود کے علاقہ جات ہیں اور حکومت برطانیہ اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ ان مقامات کا مستقل حاکم سلطان مذکورہ اور اس کی اولادیں اور اس کے بعد ان کے لڑکے صحیح وارث ہوں گے لیکن ان ورثاء میں کسی ایک کی سلطنت کے انتخاب و تقرر کیلئے یہ شرط ہو گی کہ وہ شخص سلطنت برطانیہ کا مخالف نہ ہو۔

دفعہ دوم:اگر کوئی اجنبی طاقت سلطان ابن سعود اور اس کے ورثاء کے ممالک پر حکومت برطانیہ کے مشورے کے بغیر حملہ آور ہو تو حکومت برطانیہ ابن سعود سے مشورہ کر کے حملہ آور حکومت کے خلاف ابن سعود کی امداد کرے گی۔

دفعہ سوم:ابن سعود اس معاہدے پر راضی ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ وہ کسی غیر قوم یا کسی سلطنت کے ساتھ کسی قسم کی گفتگو یا سمجھوتا اور معاہدہ کرنے سے پرہیز کرے گا اور ممالک مذکورہ بالا کے متعلق اگر کوئی حکومت دخل دے گی تو ابن سعود فوراً حکومت برطانیہ کو اس امر کی اطلاع دے گا۔

دفعہ چہارم:ابن سعود عہد کرتا ہے کہ وہ اس عہد سے پھرے گا نہیں اور وہ ممالک نجد کو یا اس کے حصے کو حکومت برطانیہ سے مشورہ کئے بغیر بیچنے یا رہن رکھنے یا کسی قسم کے تصرف کرنے کا مجاز نہ ہو گا اور اس کو اس امر کا اختیار نہ ہو گا کہ کسی حکومت یا کسی حکومت کی رعایا کو برطانیہ کی مرضی کے خلاف ممالک مذکور میں کوئی رعایت یا لائسنس دے۔ابن سعود وعدہ کرتا ہے کہ وہ حکومت برطانیہ کے ارشاد کی تعمیل کرے گا۔

مورخہ ۱۸ صفر ۱۳۳۴ھ، ۲ نومبر ۱۹۱۵ء مہر و دستخط عبدالعزیز ابن مسعود دستخط بی۔ ایڈ کاکس ،وکیل معاہدہ ہذا نمائندہ برطانیہ خلیج

فارس و دستخط چیمسفورڈ نائب معظم وائسرائے ہند۔ (از کتاب: منزل کی تلاش)

یہودیوں کے سلسلے میں جو معاہدہ ہوا تھا، وہ الگ تھا، اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

''میں سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل فیصل آل سعود برطانیہ عُظمیٰ کے مندوب سربرسی کوکس کے لئے ایک ہزار مرتبہ اس بات کا اعتراف واقرار کرتا ہوں کہ فلسطین کو یہودیوں کے حوالے کرنے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں یا برطانیہ اس فلسطین کو جسے چاہے دے دے، میں برطانیہ کی رائے سے صبح قیامت تک اختلاف وانحراف نہیں کرسکتا۔ (منزل کی تلاش)

یقین جانیں جس 'توحید' سے عالم اسلام کی کثیر تعداد کو مشرک کہا گیا، وہ بھی انھیں جاسوسوں کی سکھائی ہوئی تھی۔ اس صورت حال کو سامنے رکھئے جب دشمنوں کے اشارے پر اسلامی خلافت کا نام ونشان بھی مٹا دیا گیا اور حجاز کی مقدس سرزمین پر ایک نئے خود ساختہ 'توحیدی' نظام کو مسلط کیا گیا۔ پھر جو اس کے مزاحم آیا یا سمجھا گیا، اسے بے دریغ تہ تیغ کیا گیا، اور تو اور 'حرم' کی حرمت بھی پامال کر دی گئی۔

یہ ایک طویل داستان رنج وغم ہے۔ اس کا ہر حرف آتشیں ہے۔ آپ اسے جانتے ہیں تو کاش کچھ نہ کچھ اس صورت حال کو بدل دیجئے۔

اس وقت جب عالم اسلام کے اصل مرکز یعنی حرمین شریفین میں تباہیاں مچ رہی تھیں، پیر وجوان غم سے نڈھال ہو گئے تھے اور مرد وزن شدت غم سے بلک اٹھے تھے۔ انگریزوں کا بندہ شاہ سعود اندھا بہرا ہو چکا تھا اور کسی کی فریاد، کسی کی منت سماجت، کسی کے رونے دھونے کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔

اب اگر آپ کو ملت اسلام کے اتحاد کا خیال ہے اور مسلمانوں کو حقیقی اسلام پر چلانا چاہتے ہیں تو اب ہی سہی معصوم لوگوں کے قتل عام کو روکنے کی سچی اور پکی کوشش فرمایئے۔ واقعی یہ بدفطرت اور بدباطن قاتل جھوٹ بولتے ہیں۔ انھیں خدا کی رضا سے، توحید سے، دین وایمان سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ نے حضرت اقبال کا یہ مشہور شعر تو سنا ہوگا۔

جعفر از بنگال صادق از دکن

ننگ قوم وننگ دیں، ننگ وطن

فرمایئے نجد کے ابن سعود اور برصغیر کے جعفر وصادق کے کردار میں کیا فرق ہے۔ یقیناً وہ لوگ جنھیں آخرت سے، دنیا اور دین سے حکومت عزیز ہے، انھیں کو اس قسم کے کردار کی ضرورت ہوتی ہے۔

آج جہاد کے نعرے لگا کر جو امریکہ کو گالیاں دیتے ہیں خدانخواستہ کل یہ کامیاب ہو گئے تو شاید اس وقت قوم کو یہ پتا چلے کہ امریکہ کے سب سے سچے، پکے اور وفادار وجاں نثار سپاہی یہی تھے۔ ہمیں افسوس ہے غور وفکر کی صلاحیتیں مفلوج ہوتی جا رہی ہیں اور قوم نعرہ بازوں کے جال میں بہت جلد پھنس جاتی ہے۔ گزشتہ دنوں تحریک شیران اسلام کے صوبائی امیر قبلہ سید غلام رسول شاہ صاحب وانی مدظلہ نے بتایا کہ 'مجھے اپنے بچے کی بازیابی کے لئے کالعدم 'لشکر طیبہ' کے اگلے مورچوں پر جانے کا اتفاق ہوا تو دیکھا ایک ایک چیز پر لفظ 'امریکہ' لکھا ہوا تھا۔ بستروں پر، کپڑوں پر اور جوتوں پر۔

بہرحال شہزادہ صاحب آپ کا شکریہ، آپ نے دوسروں کے حقوق کو از راہِ اسلام تسلیم کرنے کا عندیہ بھی دیا ہے۔ مگر میری بار بار عرض یہی ہے کہ اپنے ملک میں جا کر اسلام کے اسی حکم کو نافذ فرما دیں۔ وہاں تو میلاد کرنے کرانے والوں کو طرح طرح کی مصیبتوں اور عقوبتوں سے دوچار کیا جاتا ہے، ان کے اہل خانہ کو ہراساں کر کے مال اسباب تک کو ضبط کر لیا جاتا ہے۔ مسجد نبوی میں یعنی حضور پرنور ﷺ کی مسجد کے اندر حضور پرنور ﷺ کے روضہ پرنور سے چند قدموں پر حضور ﷺ کے بارے میں جو دل آزار زبان استعمال کرتے ہیں کبھی آپ نے اس کا نوٹس بھی لیا ہے۔ انہیں حضور ﷺ کے کمالات علمی وعملی کا انکار ہے تو جائیں جہنم میں، مگر جن کے وہ نبی ﷺ ہیں۔ ان کی دل آزاری تو نہ کریں۔ ساری دنیا سے مسلمان

اپنے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء کے دربار در بار کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔اور آپ کی حکومت کے کارندے اُن سے کیا سلوک کرتے ہیں، کاش کبھی سوچیں۔

اسلام نجدیت کا نام تو نہیں۔مگر آپ کے ہاں اسلام پابند ہے اور نجدیت آزاد ہے۔وہاں سے مسلمان واپس آتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کے ایسے تراجم دیئے جاتے ہیں جن کے لکھنے والوں نے حضور پرنور ﷺ کی شان میں ہی نہیں، اللہ کی شان میں بھی دانستہ یا نادانستہ گستاخیاں کی ہوتی ہیں۔شاید آپ کو علم نہ ہو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بے ادب خدا کا مودب ہو ہی نہیں سکتا اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اعظم نہ ماننے والا، رب کو اکبر مان ہی نہیں سکتا مگر آپ کے ہاں یہی تصور ذہن نشین کرانے کی ناپاک کوشش کی گئی ہے کہ نبی علیہ السلام کی گستاخی ہی خدا تک پہنچنے اور شرک سے بچنے کا ذریعہ ہے۔خدا کی پناہ کتنی کافرانہ وملحدانہ وباغیانہ سوچ ہے یہ۔

شہزادہ صاحب کبھی ٹھنڈے دل سے یہ بھی سوچا کریں، اس سوچ نے عربوں کو کیا فائدہ پہنچایا۔یہی کہ مسلمانوں کا قتل عام ہوا اور دشمنوں سے غلامانہ معاہدے۔سچ فرمایا تھا ہادیٔ کونین سرور دارین علیہ التحیۃ والثناء نے!

" يقتلون اهل الاسلام ويدعون اهل الاوثان " (بخاری۔مسلم)

ترجمہ: وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔

کیا آپ نے اسلام کی تاریخ پڑھی ہے، جب مسلمان عشق رسول ﷺ کی دولت سے مالا مال تھے تو توحید کی قوت سے انھوں نے کفر و شرک کے کیسے کیسے گڑھ فتح کر لئے تھے اور چند سالوں کے اندر اندر دنیا کے نقشے کو کس حد تک تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔ہاں اس عشق نے انھیں دنیا کی سپر قوت بنا دیا تھا اور زمینی و آسمانی فوجیں ان کے جلو میں ہوتی تھیں۔آج اسی عشق سے ہاتھ دھو کر آپ حضرات نے کیا تیر مار لیا اور دنیا کو کیا سبق دے رہے ہیں۔کعبہ مقدسہ کی حفاظت کیلئے اسلام کے سب سے بڑے دشمن کو سر پر چڑھا لیا اور اس کی جائز و ناجائز خواہشات کی تکمیل کیلئے اس کے سامنے سر تک نہیں اٹھا سکتے۔آپ کے ملا مفتی اللہ کے سب سے بڑے محبوب ﷺ کی شان عالی میں کھلے عام بکتے ہیں مگر امریکہ کے خلاف کوئی زبان نہیں کھول سکتا۔ہم نے سعودی عرب میں رہ کر دیکھا ہے، کیا ہولناک نقشہ ہے تہذیب و تمدن کا۔مسجد الحرام کے اندر بیٹھ کر ارد گرد ڈش انٹینا نظر آتے ہیں۔یہ عیاشی کے مظاہرے، یہ فحاشی کا سیلاب، یہ آوارگیٔ فکر کے طوفان، کیا حرمین شریفین کی فضا ایسی ہی ہونی چاہئے۔

تو جناب شہزادہ صاحب! کون اس صورت حال کو بدلے گا، اٹھئے اور غیروں کی غلامی کا قلادہ گلے سے اتار کر اللہ کے بندے اور اس کے حبیب مکرم ومقدس ﷺ کے غلام بن جائیے۔

جو کرنی ہے جہانگیری محمد ﷺ کی غلامی کر
عرب کا تاج سر پر رکھ ، خداوند عجم ہو جا

جس بغض و عناد کی بنیاد محمد بن عبدالوہاب کے ہاتھوں پڑی اور جسے آپ کے خاندان نے پروان چڑھایا، اسے محبت و غلامیٔ رسول ﷺ سے بدل دیجئے۔اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے گا، اس کے حبیب کریم ﷺ تمہارے حامی و ناصر ہوں گے، اس کے فرشتے تمہارے لشکری ہوں گے، کعبہ مکرمہ کو ابابیلوں کے ذریعے ابرہہ کی فوج سے بچانے والا اللہ تمہاری حفاظت کر سکتا ہے، اس کو در رحمت سے مایوس ہو کر کیوں امریکہ کے در لعنت پر دستک دیتے ہیں۔وہ اپنی پوری شان و شوکت، رعب و ہیبت کے باوجود نگاہِ قدرت میں ذلیل و حقیر ہے۔حیرت ہے اللہ کے بندوں سے امداد لینا شرک ٹھہرایا گیا مگر اللہ کے دشمنوں سے مدد لینا منافی توحید نظر نہ آیا، محبوبان خدا کے سہارے کا ذکر آیا تو ایاک نستعین پڑھ کر اسے ٹھکرا دیا مگر اللہ کے

باغیوں کے سہارے کی بات آئی تو ایاک نستعین بھول گئے حالانکہ اللہ والوں کی مدد اللہ کی مدد ہی ہوتی ہے اور قرآن پاک نے تصریح فرمائی ہے۔

انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویو تون الزکوٰۃ وھم راکعون o (المائدہ:۵۵)

ترجمہ: تمہارا مددگار نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے کہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں۔

اور مشرکوں سے مدد لینا اس کے برعکس، اسی لئے حدیث پاک میں آیا

" انا لا نستعین بمشرک"

ترجمہ: بیشک ہم کسی مشرک سے مدد نہیں مانگتے۔(ابن ماجہ، ابوداؤد)

اہلِ ایمان کے دل کو نور و سرور سے بھرنے کے لئے ایک اور حدیثِ پاک لکھی جاتی ہے۔ ہوا یہ کہ وفدِ ہوازن خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا کہ مسلمان جوان کے مال اور اہل و عیال غنیمت میں لے آئے ہیں، حضور پرنور ﷺ واپس لے دیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا

اذا صلیتم الظھر فقولوا انا نستعین بر سول اللہ علی المو منین او المسلمین فی نسائنا و ابنا ء نا

جب تم ظہر کی نماز پڑھ چکو تو کھڑے ہونا اور یوں کہنا 'ہم رسول اللہ ﷺ سے مومنین پر اپنی عورتوں اور بچوں کے بارے میں مدد مانگتے ہیں۔ (النسائی)

دیکھئے خود حضور ﷺ فرماتے رہے ہیں کہو

انا نستعین بر سول اللہ o

ہم رسول اللہ ﷺ سے مدد مانگتے ہیں

آخر میں شہزادہ صاحب! اس پر بھی غور فرمائیے کہ اسلام کا نظام حکومت شورائی ہے یا موروثی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے خاندان کی بادشاہی شہزادگی اور ولیعہدی غرض ہر ایک چیز 'برطانیۂ عظمیٰ' کا 'تبرک' اور 'عطیہ' ہے ورنہ اس کا اسلام کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ اگر آپ کے نظام سلطنت کی بنیاد ہی اسلام پر نہیں تو اسلام کدھر سے آئے گا اور نافذ ہوگا۔ کتنی تکلیف دہ بات ہے کہ آپ کے بابا تاج برطانیہ سے غلامانہ وفاداری کا معاہدہ کر رہے ہیں اُس کے کسی حکم و فیصلہ پر چون و چرانہ کر کے اس کے حضور بندۂ تسلیم و رضا بننے کا عہد کر رہے ہیں اور فلسطین کو یہودیوں کی نذر کرنے پر بھی آپ ہر طرح سے راضی و خوش ہیں، ادھر یہ جوش بندگی اور خاص اللہ کے گھر میں یعنی اسی مسجد الحرام کے ایک دروازے پر الملک عبد العزیز ابن سعود لکھ رہے ہیں۔ یہاں جہاں سب بڑے سے بڑے حضرات بندے بن کر حاضر ہوتے ہیں وہاں ملک (یعنی بادشاہ) بن رہے ہیں۔ کتنی شرمناک بات ہے۔ خدارا

آپ ہی اپنے ذرا طرزِ عمل کو دیکھیں
ہم اگر بات کریں گے تو شکایت ہوگی

اسی عبد العزیز ابن سعود کو ہمارے مفکرِ پاکستان شاعرِ مشرق حضرت اقبالؔ علیہ الرحمۃ نے یوں خطاب فرمایا تھا۔

﴿۱﴾

تو ہم آں مے بگیر از ساغر دوست
کہ باشی تا ابد اندر بر دوست

سجودے نیست اے عبد العزیز ایں

بروبم از مژدہ خاک در دوست

ترجمہ: (از پروفیسر یوسف سلیم چشتی) اے سلطان عبدالعزیز ابن سعود! تو بھی سرکار دو عالم ﷺ کے دست مبارک سے شراب الفت پی تا کہ تجھے حیات جاوید حاصل ہو جائے۔ اے عبدالعزیز جسے تو اپنی غلط فہمی کی بنا پر سجدہ سے تعبیر کرتا ہے، یہ سجدہ تو نہیں ہے۔ میں تو اپنے محبوب (ﷺ) کے دروازہ پر اپنی پلکوں سے جھاڑو دے رہا ہوں۔

﴿۲﴾

تو سلطان حجازی من فقیرم

ولے در کشور معنیٰ امیرم

جہانے کو زتخم لا الہ رست

بیا بنگر باٰغوش ضمیرم

ترجمہ: اے ابن سعود! تو نجد و حجاز کا حکمران ہے اور میں تیرے سامنے اگر چہ فقیر ہوں۔ لیکن جہاں تک اسلام کی حقیقت سے آگاہی کا سوال ہے، تو میرے سامنے فقیر ہے۔ اور میں امیر ہوں۔ وہ جہان جو توحید الہیٰ کے عقیدہ اور اس کے اقتضا پر عمل کر نے سے پیدا ہوتا ہے، وہ جہان، وہ عالم یا وہ رنگ میرے دل میں بخوبی جلوہ گر ہے، (مطلب یہ ہے کہ میں تجھ سے بہتر موحد ہوں کیونکہ اللہ کے سوا کسی کو مستقل طور پر موجود بھی نہیں مانتا۔ چشتی)

مختصر یہ کہ عالم اسلام طرح طرح کے مسائل کا شکار ہے۔ ہمارا ماضی جتنا شاندار اور تابناک تھا، ہمارا حال اُتنا ہی افسوسناک اور تاریک ہے۔ شرک والحاد کے فرزند اپنے اختلافات کی خلیجیں پاٹ کر ایک مرکز پر آ گئے ہیں، وہ بھی صرف اس لئے کہ اسلام کے نام لیواؤں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں اور اس کے برعکس توحید کے علمبردار رشتہ وحدت میں پروئے جانے کے بجائے خود مختلف فرقوں میں بٹ کر دین حق کے لئے باعث ننگ و عار ہیں۔ ایک وقت وہ تھا کہ ہم قوموں کی امامت کرتے تھے، ایک یہ حال ہے کہ قوموں کے پیچھے چلنے کی بھی ہمت و اجازت نہیں۔ دنیا کے بدترین دہشت گرد دھونس اور دھاندلی سے نہتے، کمزور اور بے سہارا مسلمانوں پر دہشت گردی کا ہی الزام لگا کر ان کا خون پانی کی طرح بہا رہے ہیں، کوئی انہیں روکنے ٹوکنے والا نہیں، کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں اور کوئی ان کے ظلم و ستم سے چھڑانے والا نہیں۔ ظاہر ہے اسلام کے بہی خواہوں کو سب سے زیادہ ضرورت مل بیٹھ کر اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے کی ہے مگر یہاں تو ہر شخص اپنی بات پر اڑا ہوا ہے اور اپنی رائے کو حرفِ آخر سمجھتا ہے۔

الغرض جناب شہزادہ عبداللہ صاحب یا کوئی اور حاکم و دانشور، اگر وہ خلوص سے ملت کے مسائل کو حل کرنا چاہتا ہے تو اُسے خلوص سے ہی موجودہ صورتِ حال پر غور کرنا چاہئے اور خوب ٹھنڈے دل سے یہ جائزہ لینا چاہئے کہ ملت کے اتحاد میں کون حائل ہے۔ پھر جو حائل ہو اس روڑے کو راستے سے ہٹا دیجئے۔

اتحاد ملت کا نعرہ لگانے والے وہ لوگ خود انتشار کو ہوا دیتے ہیں جو ساری امت کو گمراہ سمجھتے ہیں اور موجودہ فرقوں یا جماعتوں میں سے کسی کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے بلکہ انھیں متحد کرتے کرتے ایک نئے فرقے کے بانی بن جاتے ہیں۔ وہ مجدد یا مہدی ہونے کا دعویٰ نہ بھی کریں، یہ دعویٰ تو ضرور کرتے ہیں، باقی سب جھوٹے، گمراہ، مشرک یا بدعتی ہیں، ہدایت کا دارومدار میری ہی پیروی پر ہے۔ کیونکہ میرے سوا کوئی کتاب وسنت کی روح سے

آ گاہ نہیں ہے۔عملاً دعویٰ نہ کرنے کے باوجود اس سے کیا فرق پڑا اور کیا یہی مجدد یا مہدی ہونے کا در پردہ دعویٰ نہیں ہے۔

حضور پرنور ﷺ کی ساری امت کو گمراہ قرار دے دیا جائے تو اب پیغام ہدایت دینے والے کو سراغ ہدایت کہاں سے ملا۔ اسے یہ روشنی کہاں سے میسر آئی ہے جس نے اُس پر کتاب وسنت کے سارے معانی واشگاف کر دیئے ہیں اور بڑے بڑے ائمہ، مجتہدین، مفسرین اور کاملین کے فکر و عمل اور تجدید وتبلیغ میں کیڑے نکالنے والے کو از خود یہ ہدایت کیونکر ملی۔ کہتے ہیں یہی سوال کسی نے محمد بن عبدالوہاب نجدی سے کیا تھا۔ چنانچہ ''ایک اور شخص نے شیخ نجدی سے سوال کیا: 'جس دین کو تم لے کر آئے ہو، یہ پہلے اسلام سے متصل ہے یا منفصل۔ شیخ نجدی نے جواب دیا 'میرے اساتذہ اوران اساتذہ کے اساتذہ حتیٰ کہ چھ سو سال تک یہ ساری امت کافر ومشرک تھی۔ اس شخص نے کہا: 'تب تو تمہارا دین منفصل ہے، پس تم نے یہ دین کس سے حاصل کیا؟ کہنے لگا 'وحی الہام سے، جیسی وحی الہام حضرت خضر پر ہوتی تھی۔ اس شخص نے جواب دیا 'اگر وحی الہام کا دروازہ کھلا ہوا ہے تو اس کی تمہارے ساتھ کیا خصوصیت ہے، ہر شخص ایک نیا دین لے کر اٹھ سکتا ہے اور کہے گا کہ اس کو یہ دین وحی الہام سے حاصل ہوا ہے۔ (تاریخ نجد)

دوسری بات جس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے (اور اس کا ذکر پہلے بھی کئی بار ہو چکا ہے) جو شخص میدان میں آئے اور ملت کو حسین وجمیل، کامل واکمل اسلامی انقلاب سے 'مشرف' کرنا چاہے اسے چاہئے کہ اطاعت خدا اور رسول (جل وعلا فصلی اللہ علیہ وسلم) کا سبق ہی نہ دے، محبت خدا و رسول جل وعلا فصلی اللہ علیہ وسلم پر زور بھی دے۔ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت بھی ایک ہے اور محبت بھی ایک۔ دور حاضر میں کتنے ہی ایسے مفکر پیدا ہو گئے ہیں جنہیں اطاعت رسول ﷺ تو گوارا ہے، محبت گوارا نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اسی کو نفاق کہتے ہیں ہاں ہاں محبت کے بغیر اطاعت قطعاً قطعاً قبول نہیں بلکہ سچ پوچھئے اطاعت اسی پر فرض ہے جس کے دل میں محبت ہے۔ اس لئے تمام فرائض شرعیہ کے فرض ہونے کی شرط ایمان ہے اور آیات وروایات کی رو سے ایمان کی جان حضور پرنور ﷺ ہیں، سو جس کے دل میں ایمان یا محبت رسول ﷺ نہیں، اُس پر نماز فرض ہے نہ روزہ اور نہ کوئی دوسرا حکم شرعی۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ اور دوسرے غیر) رہنماؤں میں سب سے بڑا جوہری فرق یہی ہے کہ آپ نے ملت کو عشق رسول ﷺ کی دعوت دی اور حضور ﷺ کا ادب سکھایا اور دوسروں نے نماز روزے کی تو تلقین کی مگر حضور ﷺ کی محبت و تعظیم کو شرک سمجھا۔ آج جہاں کہیں بھی ملت میں عشق ومحبت کے مظاہر نظر آتے ہیں، ان میں بزرگان سلف کے فیوض وبرکات کے علاوہ بریلی کے مجدد اور اُن کے ہمنوا دیگر علماء ومشائخ کی کوششوں کا بڑا حصہ ہے۔ اور آج جہاں نماز روزے کی خشک و بے جان کونپلیں تو نظر آتی ہیں مگر داغہائے عشق کی کوئی بہار نہیں، سمجھو نجد و دیوبند کے جھگڑوں کا اثر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اتحاد ملت کا وہی طریقہ کامیاب ہوگا جو فطرت کے مطابق ہوگا اور وہ ہے مرکز ملت، والیٔ امت، باعث خلقت، محور عظمت حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کی محبت والفت کا جذبہ۔ پاکستان کا وجود اسی جذبے کا رہین منت ہے۔ مفکر پاکستان حضرت اقبال نے اسی جذبے کو قوم کے رگ وریشہ میں داخل کرنے کی کوشش کی۔ ہاں ہاں اسی جذبۂ عشق رسول ﷺ سے طوفان ٹلتے ہیں دریا پایاب ہوتے ہیں، پہاڑ راستہ چھوڑ دیتے ہیں اور کامیابیاں قدم چومتی ہیں۔ آدمی پُر اسرار ہو جاتا ہے تو اسی کی برکت سے، فرشتے اس کے جھنڈے تلے آتے ہیں تو اسی کے صدقے، اقبال نے ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ کے حضور عرض کی تھی۔

یہ غازی ، یہ تیرے پر اسرار بندے
جنھیں تو نے بخشا ذوق خدائی

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی !
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت ، نہ کشور کشائی!

اسی قسم کے 'پراسرار' لوگ میدان میں آئیں گے تو اسلام کے دشمن بھاگ جائیں گے۔ امت کی سرفرازی و برتری چاہتے ہیں، قوم کا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، باہمی اختلافات کی ہولناک صورت ختم کرنا چاہتے ہیں، سرزمین وطن میں نظام مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء نافذ کرنا چاہتے ہیں تو قوم کو عشق مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نشہ پلا دیں واللہ، تاللہ، باللہ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، اقبال نے مومن کی فطرت کے بارے میں کتنا دوٹوک فیصلہ دیا ہے۔

طبع مسلم از محبت قاہر است
مسلم از عاشق نباشد کافر است

یعنی مسلمان کی طبع محبت ہی سے غلبہ حاصل کرتی ہے، اگر مسلمان عاشق نہ ہو تو کافر ہوتا ہے۔

لہٰذا اسے اپنی ساری توانائی محبوب خدا سرور دوسرا شہنشاہ زمین و آسمان خواجۂ کون و مکاں حضور سرور دارین، تاجدار کونین ﷺ کی محبت پر قربان کر دینی چاہئے اور ساری متاع حیات اس جذبہ حسین کی تربیت و اشاعت کے لئے وقف کر دینی چاہئے۔

ہاں ہاں محبت کو جمیع تقاضوں کے ساتھ دلوں میں بٹھانے کی کوشش کرنا ہی ہمارا سب سے بڑا مقصود و مدعا ہونا چاہئے، یہاں دو تقاضے عرض خدمت ہیں۔

۱...... حبك الشیی یعمی و یصم (مسند احمد، ابوداؤد)

ترجمہ: کسی چیز سے تجھے محبت ہو تو (اس کے عیب دیکھنے سے) اندھا اور (عیب سننے سے) بہرہ کردے گی۔

یعنی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محب محبوب کے عیب دیکھ سکتا ہے نہ عیب سن سکتا ہے۔

۲...... من احب شیئاً اکثر ذکرہ' (زرقانی علی المواہب)

ترجمہ: جس کو جس سے محبت ہوتی ہے، اکثر اسی کا ذکر کرتا ہے۔

گویا جہاں محبت ہوگی وہاں تنقیص (وعیب جوئی) تو ایک طرف تنقید بھی بے ادبی ہے نیز جس کے ساتھ محبت ہوگی، اس کا ذکر خود بخود بار بار ہوگا۔

دیکھئے اللہ کو اپنے حبیب اکرم ﷺ سے محبت ہے اس نے اس کا نام ہی محمد (یعنی حمد کیا گیا) رکھا گویا محمد (ﷺ) وہ ہے جس کی مدح وثنا ہی ہو سکتی ہے، توہین و مذمت نہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس ذات پاک میں جسے محمد کہا جاتا ہے، عیب کا امکان بھی نہیں رکھا گیا۔

یونہی اللہ کو اپنے حبیب پاک ﷺ سے محبت ہے تو اس نے فرمایا

ورفعنا لك ذكرك٥ (الم نشرح.....۴)

ترجمہ: اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

اب جسے بھی حضور پرنور ﷺ سے محبت ہوگی، اس کی ہر ممکن کوشش ہوگی کہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر وقت ذکر شاہ ﷺ میں رہے اور اسے اپنی طرف سے بلند سے بلند تر کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ اچھی طرح سمجھ لیں اگر کوئی شخص حضور پرنور ﷺ سے کسی اور چیز یا شخص کو، والدین کو، استاد و پیر کو، حاکم و قاضی کو، مال و مکان کو زیادہ محبوب سمجھتا ہے تو وہ مومن نہیں۔ ہرگز مومن نہیں جیسا کہ قرآن پاک کی آیت اور حدیث پاک اوپر گزر چکی، یونہی کوئی شخص رفع ذکر کرنا چاہے تو اسے چاہیے پوری کوشش سے حضور پرنور ﷺ کے ترانے گائے، ذکر کی محفلیں قائم کرے، فضائل و کمالات کی اشاعت کرے اور دونوں کو دکھادے کہ مرد مومن کا اوڑھنا بچھونا، اس کے ایمان و اسلام کی روح، اس کا سرمایۂ حیات اور اس کی بخشش کا سامان یہی ذکر رسول، عشق رسول اور ادب رسول ہے۔ (ﷺ)

مگر افسوس دور حاضر کے بڑے بڑے لیڈروں نے امت پہ غور کیا تو اسے کوئی گروہ اور کوئی شخص مسلمان نظر نہیں آیا اور پھر امت کے مسائل کو حل کرنا چاہا تو خود کو فیصل آباد کے چوک گھنٹہ گھر کی طرح مرکز ملت بنانے کا تصور دیا۔ اگر چہ یہ بھی شور مچایا کہ ہمارا کوئی دعویٰ نہیں۔ وہ لوگ جو اللہ کے رسول ﷺ کا کلمہ پڑھتے تھے، اپنے اصل مرکز کو کلمہ کی حد تک تو یاد رکھا، عملی اور معنوی طور پر نئے نئے مرکزوں کا طواف ہی کرتے رہے۔

جناب مولانا مودودی:

بھی اسی قسم کے لیڈروں میں سے ہیں جنھوں نے قوم کو اتحاد کا نعرہ دیا اور اس بات پر زور دیا کہ تمام فرقہ بندی ختم کر کے ساری قوم ایک ہو جائے۔ ظاہر ہے اس ایک ہونے کے لئے ان سے زیادہ کس کی اقتدا زیادہ 'مناسب' تھی، چنانچہ انھوں نے ملت کے مسائل کے حل کے لئے ایک جماعت بنائی جس کا نام 'جماعت اسلامی' رکھا اور خود اس کے امیر بن گئے۔ عوام اہل سنت سے جن کا دوسرا نام سواد اعظم ہے اور جن کی اتباع کی تاکید حضور ﷺ نے بار بار فرمائی، مولانا مودودی کو شرک کی بو آتی تھی، ہاں نجد و دیوبند کے موحدین کے ساتھ قارورہ ملتا تھا۔ بلکہ ان کے والدین بانی دارالعلوم دیوبند کے مرید تھے اور مولانا دو سال جمعیۃ العلمائے ہند کے نام الجمعیت کے ایڈیٹر رہے تو چاہیے تھا کہ فرقوں کی تعداد میں ایک کا اضافہ کرنے کے بجائے دیوبندیوں میں ہی شامل ہو جاتے مگر افسوس اتحاد کے داعی نے ان کے ساتھ بھی اتحاد نہیں کیا۔ اور محمد بن عبدالوہاب کی طرح یہ سمجھ لیا

کرشمہ یہاں شرک کا سو بسو ہے
جدھر دیکھتے ہیں ادھر بو ہی بو ہے

جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی گئی تو چشم دید گواہوں کے مطابق عجیب منظر تھا، مشہور وہابی تذکرہ نگار محمد اسحٰق بھٹی بھی ان ستر پچھتر شرکاء اجلاس میں شامل تھے۔ انھیں کی زبانی اجلاس کی کارروائی سنئے

> 'مولانا نے اپنے طور یا کسی کی رائے پر فرمایا کہ اس مجلس میں جو حضرات موجود ہیں، تجدید ایمان کریں اور کلمہ شہادت پڑھیں، تجدید ایمان کا یہ مطلب بتایا گیا کہ جتنے بھی لوگ جو اس اجلاس میں موجود ہیں، وہ کلمہ شہادت پڑھ کر آج سے نئے سرے سے ایمان قبول کر رہے ہیں۔ سب سے پہلے مولانا مودودی نے کلمہ شہادت پڑھا۔
>
> میری ان گنہگار آنکھوں نے دیکھا کہ سب حضرات اپنی اپنی باری پر کھڑے ہو کر کلمہ شہادت پڑھ رہے ہیں اور تجدید ایمان کر رہے ہیں۔ گویا نئے سرے سے حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں۔ یہ بھی عجیب دن تھا۔ لوگ اپنے ماضی پر فخر کرتے ہیں

کوئی کہتا ہے ہم سو سال سے مسلمان ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ہزار سال سے۔ اس پر مضامین اور مقالات لکھے جاتے ہیں مگر ہم اس پر ندامت کا اظہار کر رہے ہیں اور اپنے اسلام اور اپنی گزشتہ اسلامی تاریخ کی نفی کر رہے ہیں۔ ہمارا موقف یہ تھا کہ پہلے جو کچھ تھا سب غلط تھا ہم نو مسلم آج اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ (منزل کی تلاش بحوالہ قومی ڈائجسٹ اکتوبر ۱۹۹۱ء)

معاذ اللہ اس کے سوا اس کا اور کیا مقصد تھا کہ اب تک زندگی شرک آلود رہی ہے، نئے سرے سے کلمہ پڑھنے والے اور اسلام قبول کرنے والے تو مسلمان ہو گئے باقی شرک وکفر ہی میں ڈبکیاں کھا رہے ہیں۔ اللہ اللہ! یہ کیسے داعیان اتحاد ہیں کہ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے پر اللہ کا شکر ادا نہیں کر رہے بلکہ اپنے والدین، بلکہ پورے خاندان، بلکہ پورے ماحول کو بلکہ خود کو بھی مشرک سمجھ رہے ہیں۔ خدا ایسی اولاد کسی کو نہ دے جو پر پرزے نکالے تو سب سے پہلے اپنے والدین کے اعتقادات پر کفر وشرک کا فتویٰ لگا دے۔ مگر افسوس ایک دو صدیوں میں اکثر 'مصلحین' اسی قسم کے پیدا ہوئے۔ پھر عموماً اس قسم کے لوگ پیرزادے، صاحبزادے اور دینی خانوادوں کے چشم وچراغ ہوتے ہیں۔ محمد بن عبدالوہاب بھی ایک پیرزادہ تھا۔ مگر جب دشمنان ملت کا آلہ کار بنا تو اس نے ظلم وستم میں یزید کے دور کی یاد تازہ کر دی۔ اس کی فکر کا عنوان گزر چکا ہے کہ ماضی کے پورے چھ سو سالوں میں اسے صفحۂ ہستی پر کوئی مسلم نظر نہیں آیا۔ محمد اسماعیل دہلوی بھی ایک صاحبزادہ تھا مگر جب تبلیغ واشاعت کے میدان میں آیا تو اس نے قیامت کے قریب چلنے والی ہوا کو اپنے دور میں چلا دیا اور صاف صاف کہہ دیا۔

''پھر اللہ آپ ایسی ایک باؤ بھیجے گا کہ سب اچھے بندے جن کے دل میں تھوڑا سا ایمان ہوگا مر جاویں گے'' (اس کے بعد اسی صفحے میں لکھا) سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا (یعنی وہ ہوا چل گئی)

نوٹ: حدیث پاک کی رو سے یہ ہوا دجال کے خروج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد آئے گی اسمٰعیل کے بیان کے مطابق کس کا ایمان بچا اور تو اور ساری امت کو مشرک کہنے والا یہاں خود اس کی زد میں آ گیا اور کافر ہو گیا۔

اب مولانا مودودی کی باری آئی یہ بھی حضرت مودود چشتی علیہ الرحمۃ کی اولاد میں سے تھے، انھوں نے بھی اول خویش بعدۂ درویش کے مصداق تکفیر کی ابتدا اپنے گرد وپیش سے ہی کی حتیٰ کہ خود کو بھی مشرک سمجھا۔ اسی لئے پھر 'اسلام لانے' کا اہتمام کیا۔ بلاشبہ تکفیر کا انداز یہ نہیں تھا کہ میرے والدین کافر ہیں، بہن بھائی کافر ہیں بلکہ جو کچھ وہ کرتے تھے اسے کفر وشرک سمجھا اور والدین وغیرہما کا نام لئے بغیر اسے کفر وشرک بتایا۔ ظاہر ہے کفر وشرک کا ارتکاب کرنے والا کافر ومشرک ہی ہوتا ہے، چنانچہ اس ماحول میں آنکھ کھولنے اور پھلنے پھولنے کی بنا پر خود کو بھی کفر وشرک میں ملوث پایا تو از سر نو کلمہ شہادت پڑھ کر تجدید ایمان کا اہتمام کیا۔ کتنا ہنگامہ خیز ہے یہ اعلان اسلام کہ پہلے برصغیر کے دور دراز کے علاقوں سے اسلام پسندوں کو بلا لیا اور ان سے پہلے نہیں بلکہ ان کا انتظار کر کے ان کے ساتھ مل کر اسلام قبول کیا۔ اگر ان کے آنے سے پہلے (اسلام) قبول کرتے اور اکیلے ہی دائرہ اسلام میں داخل ہوتے تو شاید دھتکار دیئے جاتے۔

یہ بات نہایت ہی تکلیف دہ ہے کہ ساری امت مسلمہ کو کافر ومشرک کہنے والوں کو اللہ کے حبیب اعظم ﷺ کی قسموں پر بھی اعتبار نہیں آیا اور دھونس دھاندلی سے ساری امت پر فتویٰ شرک لگا دیا۔ یہ احادیث کہ میری امت میں شرک نہیں ہوگا اور شیطان مایوس ہو چکا ہے کہ اسے جزیرۂ عرب میں پوجا جائے، ان مصلحین کے نزدیک لائق التفات ہی نہیں۔ گویا شیطان تو حجاز ویمن میں شرک سے مایوس ہے مگر محمد بن عبدالوہاب اور اس کے ہمنوا پھر بھی مایوس نہیں۔

اے حبیب خدا سرور عالم ﷺ کے وارثو! اے ملت اسلامیہ کے خیر خواہو! اے امت مرحومہ کے ناخداؤ، امت کی اصلاح چاہتے ہو تو امت کے والی ﷺ پر اعتماد کرو، ان کی زبان حق ترجمان پر یقین کرو، ان ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں ابتدائے کار کرو، ان ﷺ کی

ہدایات کو پیش نظر رکھو، ان کے عشق سے سرشار ہو کر قوم کو دعوت دو، انشاءاللہ بگڑی بن جائے گی، سارے دلدر دور ہو جائیں گے، فاصلے سمٹ جائیں گے، امت بیدار ہوگی، متحد ہوگی اور منظم ہوگی۔

ان بدبختوں کی بات مت سنئے جو اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے باغی ہو کر ساری امت کو مشرک سمجھتے ہیں، واللہ یہ امت مشرک نہیں ، اس کے سر پر اللہ کا دست قدرت ورحمت ہے اللہ کے حبیب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اس کے نگہبان ومحافظ ہیں، جب اللہ کے بعد سب سے بڑا کریم واکرم ﷺ اس کے موحد ومومن ہونے کی ضمانت دے رہا ہے تو غم کا ہے کا۔ قرآن کا حرف حرف موجود ہے، سنت نبوی ماشاءاللہ پوری آب وتاب کے ساتھ محفوظ ہے، ہماری کوتاہیوں کے باوجود مشرق ومغرب میں اسلام کا بول بالا ہو رہا ہے، سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں عوام وخواص فلسفی، سائنس دان، کالے گورے اس کے دامن میں پناہ لے رہے ہیں۔

تو لعنت بھیجو اس جھوٹے پر جو سمجھتا ہے کہ مسلمان مشرک ہو گئے۔ اور ہرگز ہرگز ایسے شیطان کی پرواہ نہ کرو۔

سنو! اپنے آقا ومولا علیہ التحیۃ والثناء کا ارشاد عالی!

عن ابی هریرة رضی الله عنهٗ ان رسول الله ﷺ قال ان من اشد امتی لی حبانا س یکونون بعدی یود احد هم لورانی باهلهٖ وماله (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا 'میری امت میں سے میرے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھنے والے لوگ میرے بعد ہوں گے، ان میں سے ہر ایک تمنا کرے گا کاش وہ اپنے گھر بار مال کے بدلے مجھے دیکھ لیتا۔

ہاں ہاں تھوک دو اس مردود کے منہ پر جو محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کو زندہ نہیں مانتا۔ خدا کی قسم، نبی زندہ، نبی کا فیض زندہ، نبی کی تربیت زندہ، نبی کی شریعت زندہ اور نبی کی امت زندہ، علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام۔ ایمان واخلاص والے شراب محبت پی رہے ہیں۔ آج بھی عشق وعرفان کا میکدہ سلامت ہے۔ آج بھی دور چل رہا ہے، باڑ ابٹ رہا ہے اور کیف ومستی کی بارشیں ہو رہی ہیں۔ پوچھئے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی سے، وہ فرماتے ہیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنی امت سے کبھی غافل نہیں، اگر آپ حفاظت نہ فرمائیں تو اسے کون بچائے۔

(تفصیل وحوالہ کے لئے دفتر اول مکتوب ۹۹)

یہی عقیدہ ہے حکیم الامت حضرت اقبال کا آپ کے ایمان افروز الفاظ دیکھئے!

''شاید لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ حضرت محمد ﷺ اب تبلیغ دین نہیں فرماتے۔ ایسا سمجھنا مذہب عشق میں داخل خطا کاری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی کوئی قوت ایسی نہ تھی جسے وقتی یا زمانی سمجھا جائے۔ حضور ﷺ قیامت تک کے لئے پیشوائے انسانیت ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حضور ﷺ کی ہر قوت قیامت تک کارفرما رہے گی۔ حضور ﷺ کا جلال بھی قیامت تک کے لئے کارفرمائی کرے گا اور جمال بھی۔ آپ قیامت تک کے مجاہد ہیں، قیامت تک کے مصلح ہیں، قیامت تک رحمت للعلمین ہیں۔ بلکہ اس سے بھی آگے، بہت دور تک حضور ﷺ کی شخصیت مبارک موجود ہو یا نہ ہو، حضور ﷺ کا روحانی فیض آپ کے وجود باجود ہی کی طرح زندگی کے میدان میں کارفرما رہتا ہے۔

یہ دوسری بات ہے کہ ہماری روحانیت اس قدر لطیف نہیں ہے کہ اپنے زندہ رسول ﷺ کے زندگی بخش فیوض کے عمل ودخل کو محسوس کر سکیں۔ اگر کوئی اندھا سورج کو محسوس نہیں کرتا تو اس سے سورج کی عدم موجودگی ثابت نہیں ہو سکتی۔

......☆......

قیام پاکستان کے مخالفین کی وکالت کیوں؟

از سید صابر حسین شاہ بخاری قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(نوٹ: یہ مقالہ ایک دو اخباری مضامین کے تناظر میں لکھا گیا تھا لیکن شائع نہ ہو سکا۔ اب ریکارڈ کی درستگی اور اس کی اہمیت کے پیش نظر ''الحقیقہ'' میں شائع کیا جا رہا ہے تا کہ لوگ قیام پاکستان کے مخالفین کی بے جا وکالت سے باز رہیں (ادارہ)

تلخی گزرے جو کسی کو یہ صدا — حق میں تلخی کے سوا اور ہے کیا

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ مملکت خداداد پاکستان کا قیام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خاص کرم نوازی سے عمل میں آیا۔ اس کی مخالفت میں ہندو، سکھ، انگریز اور کانگریسی علماء نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور اس کے بانی محمد علی جناح کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ آخر قدرت نے پوری ملت اسلامیہ کی زبان سے آپ کو قائداعظم کہلوایا اور قیام پاکستان کے تمام مخالفین کو بری طرح ناکام کرایا۔ اور پھر ثابت ہو گیا کہ اس خطہ پاک کے قیام کی راہ میں روڑے اٹکانے والے یقیناً غلطی پر تھے حقائق کا اعتراف زندہ قوموں کی علامت ہے لیکن حیرت ہے کہ چند دنوں سے ایک دو قلمکاروں کو ان کانگریسی علماء کی وکالت کا پھر خیال آیا، ان میں ایک ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہیں۔ جنہوں نے ''قیام پاکستان کے مخالف علماء کے موقف کا جائزہ اور منصفانہ تجزیہ'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جو ۹ ستمبر ۲۰۰۰ء کو روزنامہ جنگ پنڈی میں شائع ہوا، پھر یہی مضمون روزنامہ 'پاکستان' میں ۱۱ ستمبر ۲۰۰۰ء کو عین یوم قائداعظم کے موقع پر سامنے آیا۔ اسی طرح جناب محمد افضل ایم اے نے بھی ''قیام پاکستان اور علمائے دیوبند'' کے عنوان سے مضمون لکھا جو ۲۷ ستمبر ۲۰۰۰ء کو روزنامہ اوصاف اسلام آباد میں اشاعت پذیر ہوا۔ ان دونوں مضامین میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب لکھتے ہیں

''یہ محض رائے کا اختلاف تھا ورنہ ان علماء کا خلوص و اخلاص ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر تھا۔

تاریخ بے رحم صداقت ہے یہ ہر آن اپنا آپ منواتی اور ثبوت فراہم کرتی ہے۔ کہ قوموں سے کب، کہاں اور کیسے غلطیاں ہوئیں اور پھر ان افراد کی کوتاہیاں اور خامیاں کس طرح قوموں کے نصیبے سے تاریک سایہ بن کر چمٹ گئیں۔ قائداعظم نے تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کے لئے تمام مسلمان جماعتوں سے مسلم لیگ کی حمایت کرنے کی درخواست کی، مذاکرات ہوئے۔ مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام کی وضاحت کی گئی۔ اسی دوران قائداعظم نے اکابر دیوبند سے بھی مسلم لیگ کی تائید کی اپیل کی مگر جمعیت علمائے ہند کے اکابر مسلم لیگ کی بجائے کانگریس کے حامی کیوں ہوئے؟ یہاں سے جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ان علماء کی مخالفت کا منصفانہ تجزیہ خود اخذ فرمالیں اور جناب حافظ محمد افضل ایم اے بھی ان کی دیانت داری کی چند جھلکیاں ملاحظہ کر لیں۔ ان حالات کا تذکرہ خواجہ رضی حیدر نے ''قائداعظم کے ۷۲ سال'' میں اس طرح کیا ہے۔

''ان اجلاسوں سے مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید نے بھی خطاب کیا اور انہوں نے

کہا کہ دیو بند کا ادارہ اپنی تمام خدمات لیگ کے لئے پیش کر دے گا۔ بشرطیکہ پروپیگنڈہ کا خرچ لیگ برداشت کرے۔ اس کام کے لئے پچاس ہزار روپے کی رقم بھی طلب کی گئی جو لیگ کی استعداد سے باہر تھی۔ اس لئے محمد علی جناح نے اس مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ نہ اتنا سرمایہ لیگ کے پاس فی الوقت موجود ہے اور نہ ہی اس کا مستقبل میں امکان ہے اس لئے صرف قومی جذبہ کے پیش نظر' کام کیا جائے، مرزا ابوالحسن اصفہانی نے لکھا ہے کہ ان علماء کو اس سے مایوسی ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ کانگریس کی طرف ڈھلتے گئے اور کانگریس پارٹی کے لئے پرچار کرنے لگے جو ظاہر ہے کہ ان کے مالی تقاضے پورے کر سکتی تھی۔'' (ص۔۳۰۳،۳۰۴)

سر محمد یامین خان لکھتے ہیں:

''جواہر لال نہرو نے حقارت آمیز خط مولانا حسین احمد مدنی کی بابت لکھا جن کو وہ برابر خرچ بھیج رہے تھے۔'' (نامہ اعمال ج ا ص ۲۸۶)

''اخبارات میں آیا ہے کہ حسین احمد مدنی اور ان کے رفقاء کار مولوی احمد سعید وغیرہ نے کانگریس سے دو کروڑ روپیہ طلب کیا ہے۔'' (نامہ اعمال ج ۲ ص)

بجنور میں مسلم لیگ ہار گئی۔ اسی دوران مولوی حسین احمد مدنی کے نام کانگریس کا سات سو کا منی آرڈر ایک مسلم لیگی کلرک نے پکڑ لیا جس پر مولوی ظفر علی خان نے لکھا

غداری وطن کا صلہ سات سو فقط　　　ایمان بیچنا ہے تو ستانہ کیجئے
بھرنا ہی پیٹ ہے تو طریقے ہیں اور بھی　　　دو روٹیوں پہ اسلام کو بیچا نہ کیجئے

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ نومبر ۱۹۴۵)، (بحوالہ جعفران ایں زماں ص ۱۰۸)

کانگریس کے فنڈز سے کانگریس کے ساتھ ملحقہ سیاسی جماعتوں کو بھی روپیہ دیا جاتا تھا اور اسی فنڈ سے مولانا مدنی کو، جمعیت علماء ہند کو اور ان کے اخبار ''الجمعیت'' کو مالی اعانت دی جاتی تھی، جب سیاسی تحریکات چلتی تھیں تو کانگریسی لیڈروں کے سفر و حضر کا خرچہ بھی انہیں فنڈز سے چلتا تھا جب لیڈر قید ہو جاتے تھے تو اسی فنڈ سے روپیہ سیاسی قیدیوں کے گھروں میں پہنچایا جاتا تھا تاکہ تالیف قلب بھی ہوتی رہے اور گھر والوں کے نان و نفقہ کا بھی بندوبست بھی ہوتا رہے۔ نہرو کو چھوڑ کر باقی دوسرے چوٹی کے لیڈر مثلاً راجندر بابو، پٹیل، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، غفار خان نے اپنی زندگیاں کانگریس کے لئے وقف کر رکھی تھیں۔ کانگریس کا یہ روپیہ جن ذرائع سے آتا تھا وہ کیا تھے؟ بلا مبالغہ ۹۹ فیصدی رقم ہندوؤں کی طرف سے آتی تھی جو خالصاً سود در سود سے حاصل ہوتی تھی یا ہندو ساہوکار مسلمانوں کو سودی قرضے دے کر وصول پاتے تھے۔ یعنی خاص اسلامی شرعی نقطہ نظر سے یہ روپیہ حرام کی کمائی سے حاصل ہوتا تھا۔) (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۴ نومبر ۱۹۸۳ء، بحوالہ جعفران ایں زماں ص ۸۳)

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کو قدرت نے بڑی فیاضی سے ملکہ خطابت ارزانی فرمایا تھا۔ لیکن انہوں نے خطابت و تقریر کی تمام صلاحیتوں کو مسلم مفاد کے خلاف استعمال کیا اور وہ بھی محض ٹکوں کے لالچ میں۔ ایک دفعہ دوران تقریر شاہ صاحب سے کسی نے سوال کیا'' شاہ جی جناح سے آپ کا اختلاف کیا ہے'' فرمایا کوئی نہیں۔ وہ تو پھر ایک کیوں نہیں ہو جاتے؟ شاہ جی۔ بھائی میں تو ان کی کفش برداری کو تیار ہوں لیکن میرے ذہن میں بعض کانٹے ہیں وہ (قائداعظم) یاد فرمائیں میں سر کے بل جاؤں گا۔ سمجھا دیا تو وہ آرام سے بیٹھیں ان کی لڑائی خود لڑوں گا لیکن وہ ہم سے بات نہیں کرتے صرف بیعت چاہتے ہیں مجمع دیہاتی تھا۔ قائداعظم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا

میری گھگھری نوں گھنگھر ولوادے　　　جے تو میری ٹور دیکھنی

(عطاء اللہ شاہ بخاری مرتبہ شورش کشمیری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۲۸۹)

شاہ جی کی زبان فیض ترجمان سے آپ نے گھگھری نوں گھنگھر ولوانے کی بات سنی تو اب اس پر ماہر اقبالیات سید نور محمد قادری کا تبصرہ بھی ملاحظہ فرمائیے: اصل میں مسلم لیگ سے شاہ صاحب اور ان کے ہم خیال وہم فکر علماء کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ وہ ان کی گھگھری میں گھنگھر و ڈلوا دیں جو وہ اپنی مالی کمزوری کی وجہ سے نہ کر سکی اس کے مقابلہ میں برلا اور ٹاٹا کی بے پناہ دولت تھی جو نہ صرف چاندی بلکہ سونے کے گھنگھر و تک شاہ صاحب اور ان کے ساتھیوں کی گھگھریوں میں لگوا سکتے تھے بلکہ انہوں نے لگوا بھی دیئے اس واقعہ کا راوی کوئی ایرا غیرا نہیں بلکہ شاہ صاحب کا غالی عقیدت مند مشہور اہل قلم اور بلند پایہ خطیب شورش کاشمیری مرحوم ہیں۔'' (اقبال کے دینی وسیاسی افکار مطبوعہ گجرات ۱۹۸۲ء ص ۱۳۵)

مولانا ظفر علی خان نے کیا خوب کہا ہے۔

پانچ ککوں کا ہے پابند شریعت کا امیر　　اس میں طاقت ہے تو کرپان کی جھنکار سے ہے

مولانا مظہر علی نے تسلیم کیا کہ روپیہ لیا گیا ہے لیکن اس کے سزاوار وہ تنہا نہیں بلکہ باقاعدہ مشورہ سے وہ رقم قبول کی گئی ہے۔ پہلا دس ہزار روپیہ مولانا داؤد غزنوی نے دیا تھا اور شیخ حسام الدین اس وقت موجود تھے۔ دوسری قسط بھی انہیں حضرات کے مشورے سے حاصل کی گئی یعنی شیخ حسام الدین نے مولانا حبیب الرحمٰن کو لدھیانہ میں خط لکھا کہ وہ کلکتہ میں کانگریس ہائی کمان تک پہنچیں یہ خط لے کر خاقان بابر مولانا مظہر علی کے صاحبزادے لدھیانہ پہنچے، مولانا حبیب الرحمٰن کلکتہ گئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد ایک لاکھ کے لگ بھگ رقم دینے کو تیار ہو گئے مگر سردار پٹیل نے جو کانگریس کے خازن تھے اس سے اختلاف کیا اور پچاس ہزار کی رقم کا چیک لالہ بھیم سین سچر کی تحویل میں دیا گیا جو ان کی معرفت دفتر احرار پہنچا۔ پھر اس رقم کی بندر بانٹ کی گئی۔ (نوائے وقت لاہور ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۲ء، بوئے گل نالہ دل رود چراغ محفل از شورش کاشمیری لاہور ۱۹۷۲ء ص ۳۴۳ تا ۳۴۴)

غرضیکہ ہندو سرمایہ داروں اور صنعت کاروں میں گھنشام داس برلا، رام کرشن ڈالمیا اور گوجرمل مووی جیسے کروڑپتیوں نے قیام پاکستان کو روکنے کے لئے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیئے، مسلم لیگ کی مخالف جماعتوں کو بڑی بڑی رقمیں ملنے لگیں اور کانگریس کے ہمنوا مولویوں نے قائد اعظم اور مسلم لیگ کے خلاف فتوؤں کے انبار لگا دیئے (دیکھئے تحریک پاکستان از پروفیسر محمد اسلم) قائد اعظم ان حالات اور واقعات کے تناظر میں فرماتے ہیں!

''کانگریس نے چالاکی سے کام لے کر مسلمانوں کو آپس میں ٹکرا دیا ہے۔ نیز ایسے مسلمانوں کی روپے پیسے سے مدد کر رہی ہے جن پر کالی بھیڑوں کے الفاظ صادق آتے ہیں اور جو صراط مستقیم سے منحرف ہو گئے ہیں۔ (گفتار قائد اعظم ص ۲۰۶)

ان کانگریسی علماء کا مسلم لیگ سے اختلاف کا اصل پس منظر یہ تھا کہ مسلم لیگ ان کی 'ہوس زر' کو پورا نہ کر سکی اور پھر وہ نہایت ہی ''خلوص و اخلاص' سے کانگریس کی حمایت میں سرگرم عمل ہو گئے اور تحریک پاکستان کی اپنی ہمت سے بڑھ کر مخالفت کی اور مسلم لیگ کو نشانہ تضحیک وتوہین بنایا۔ اگر ان علماء کے اس طرز عمل کو محض سیاسی اختلاف کا نام دیا جائے تو پھر غداری کی کیا تعریف ہو گی؟

قیام پاکستان کے مخالفین نے قائد اعظم، مسلم لیگ اور پاکستان کے بارے میں جو کوثر و تسنیم میں ڈوبی ہوئی زبان استعمال کی ہے اس کے بھی چند نمونے دیکھئے اور پھر ان کے موقف کا جائزہ اور منصفانہ تجزیہ بھی خود ہی کر لیں۔

۱۸ اپریل ۱۹۱۸ کو مس رتن بائی نے بمبئی میں مولانا نذیر احمد خجندی کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا ان کا اسلامی نام مریم رکھا گیا بعد میں باقاعدہ قائد اعظم سے نکاح ہوا۔ اس خبر کو اس وقت کے مشہور اخبارات نے نمایاں طور پر شائع کیا تھا۔ لیکن اس شادی کے تقریباً ۲۸ سال بعد جب محمد علی جناح اسلامیان ہند کے قائد اعظم کی حیثیت سے حصول پاکستان کے لئے مصروف تھے۔ عین اس موقع پر قائد اعظم کی حیثیت کو گھٹانے اور مسلم لیگ کو بدنام کرنے کے لئے احرار کے ناظم اعلیٰ مولانا مظہر علی اظہر، خاکسار کے علامہ عنایت اللہ مشرقی اور دیوبند کے مولانا حسین احمد مدنی نے اس شادی کو غیر اسلامی قرار دے دیا۔ مولانا مظہر علی اظہر نے ایک جلسہ عام میں جس کے سٹیج پر مولانا مفتی محمود بھی موجود تھے۔ یہ شعر پڑھا۔

اک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا   یہ قائداعظم ہے یا کافر اعظم
استغفر اللہ (دیکھئے رتی جناح، قائداعظم کا مسلک)

عطاء اللہ شاہ بخاری نے اعلان کیا:

''جولوگ مسلم لیگ کوووٹ دیں گے وہ سور ہیں اور سور کھانے والے ہیں'' (چمنستان ص ۱۶۵)

مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے کہا:

''دس ہزار جینا اور شوکت اور ظفر جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جاسکتے ہیں۔'' (چمنستان ص ۱۶۵)

مولوی محمد میاں ناظم جمعیت علماء ہند کہتے ہیں:

''مسلم لیگ کی موجودہ حالت سے جو بے دینی پھیل رہی ہے اور جو نقصان اسلام اور مسلمانوں کو حاصل ہو رہا ہے وہ کانگریس تو درکنار ہندوستان کے تمام ہندوؤں سے نہیں پہنچ رہا ہے'' ۔ (پاکستان اور کانگریسی علماء کا کردار ص ۲۰)

جناب حافظ محمد افضل ایم اے فرماتے ہیں کہ

''یہ حضرات جو تقسیم کے مخالف تھے اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ اسلامی مملکت کے قیام کے خلاف تھے یہ تو ایسا پاکیزہ مقصد ہے کہ کسی ادنیٰ مسلمان کو بھی اس سے اختلاف نہیں ہوسکتا۔''

حضرت جی! یہ تلخ حقیقت علمائے دیوبند کو برداشت کرنا پڑے گی کہ ان کے پیش نظر برصغیر میں اسلامی حکومت کا قیام کبھی بھی نہیں رہا بلکہ وہ ہمیشہ جمہوری انداز کی سیکولر حکومت کے لئے کوشاں رہے ہیں شاہ محمد اسماعیل کی تحریک ہو کہ جمعیت علمائے ہند کی تنظیم، احرار ہوں یا آزادان سب کا اندازفکر اس معاملے میں حیرت انگیز یکسانیت کا حامل رہا ہے اسلامی حکومت کا قیام تو بہت مقدس نصب العین ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کے مفادات تک کی پرواہ نہیں کی جو احسان کا معمولی درجہ ہے۔

''مولانا ابوالکلام آزاد کی کوششوں سے مدرسہ اسلامیہ دسمبر ۱۹۲۰ء میں قائم ہوا۔ جس کے صدر مدرس مولانا حسین احمد مدنی مقرر ہوئے۔ رسم افتتاح مسٹر گاندھی نے ادا کی، اس موقع پر مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی بڑی تعداد میں موجود تھے۔''

۲۲ ستمبر ۱۹۴۵ء ہفتہ کو مسٹر دیوراج سیٹھی ایم ایل اے اور مہاشہ ٹورین چند صدر ڈسٹرکٹ کانگریس ٹوبہ ٹیک سنگھ میں وارد ہوئے۔۔۔۔

جلسے میں پڑھی جانے والی نظموں کا ملخص یہ تھا۔ ''ہم آزاد کو تلک لگائیں گے ہندو کعبہ کو بسائیں گے اور حسین احمد بت خانہ میں سربسجود نظر آئیں گے، پاکستان کے نظریئے دریائے گنگا میں بہائے جائیں گے'' ۔ (ہفتہ وار سعادت کمالیہ یکم اکتوبر ۱۹۴۵)

۴ جون ۱۹۵۴ء کو مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے مولانا حسین احمد مدنی کو خط میں لکھا:

''والا نامہ کے ایک دوسرے پہلو سے متعلق ایک گستاخانہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں آپ ہی کے اکابر نے اصاغر کو اس کی اجازت دے رکھی تھی والا نامہ کے چند صفحات میں کہیں بھی بسم اللہ یا اس کے مماثل کلمہ کا نظر نہ آنا بلکہ بجائے اس کے ہر صفحہ پر انگریزی حروف میں ''جے ہند'' نظر آنا مجھ نافہم کی فہم سے بالکل باہر نکلا (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۳ ص ۳۹)

حکیم محمد موسیٰ اور امرتسری نے ایک مضمون میں لکھا تھا:

''گروہ علماء نے مسٹر گاندھی کو جامع مسجد شیخ خیر الدین امرتسر میں لاکر منبر رسول پر بٹھایا اور خود اس کے قدموں میں جا بیٹھے اور یہ دعا کی گئی کہ اے اللہ! تو گاندھی کے ذریعے اسلام کی مدد فرما۔'' استغفر اللہ   (مقالات یوم رضا ج ا ص ۹۸)

جن دنوں میں ۲۰۔۱۹۱۹ء میں ہندو مسلم اتحاد کی لگن تھی ان میں یہ لگن اب تک اسی شدومد سے جاری ہے۔ ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن میں بھارت کی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کو بلایا گیا اور اسے وہی عزت دی گئی جو دارالعلوم کے بڑے گاندھی اور دوسرے ہندو لیڈروں

کو دیتے رہے تھے۔ نہ آج اندرا گاندھی کی دارالعلوم دیوبند کے جشن صد سالہ میں شرکت کا جواز ہے نہ ۱۹۲۰ میں ہندو لیڈروں کو مسجدوں کے منبروں پر بٹھانا مناسب تھا۔ مگر جمعیت علماء ہند اس وقت بھی اسے جائز سمجھتی تھی۔ جمعیت علماء ہند کے باقیات آج بھی اس روش کو درست خیال کرتے ہیں۔

پورے مکتب دیوبند میں مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا اشرف علی تھانوی کے محدود حلقے کے دو چار آدمیوں کے سوا باقی سارے علماء کہاں کھڑے تھے؟

علامہ شبیر احمد عثمانی جیسی ہستی نے تحریک پاکستان کی حمایت شروع کی تو دارالعلوم دیوبند کے طلباء نے گندی گالیوں پر مبنی فحش اشتہارات اور کارٹون چسپاں کئے۔ جس میں علامہ عثمانی کو ابو جہل تک کہا گیا اور ان کا جنازہ نکالا گیا۔ ان کے قتل تک کے حلف اٹھائے (دیکھئے مکالمۃ الصدرین)

مکتب دیوبند کے نامور عالم شیخ الہند مولانا محمود الحسن کو کون نہیں جانتا آج اسیر مالٹا اور تحریک آزادی کے مجاہدین میں انھیں سرفہرست شمار کیا جاتا ہے۔ برصغیر سے انگریزی کے خاتمے کا جو پروگرام آپ نے مرتب فرمایا اس میں کسی اسلامی حکومت کے تصور کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے واضح طور پر ایک لادینی (سیکولر) حکومت کا نظریہ پیش کیا گیا ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھی کو آپ ہی نے کابل بھیجا وہاں آپ کے حکم اور مشورے سے موقتہ ہند کے نام سے ایک متوازی حکومت بنائی گئی لیکن آپ حیران ہوں گے کہ اس حکومت کے لائف پریذیڈنٹ معروف متعصب سکھ لیڈر راجہ مہندر پرتاپ مقرر ہوئے جبکہ مولانا عبیداللہ سندھی اس کے وزیر خارجہ تھے اس سے آپ بخوبی اس حکومت کا نقشہ سمجھ سکتے ہیں۔ جو ان حضرات کے ذہنوں میں موجود تھا۔ مزید اطمینان کے لئے مولانا سندھی اور راجہ صاحب کے رفیق کار ظفر حسن صاحب کا یہ تبصرہ ملاحظہ فرمایئے اور ٹھنڈے دل سے غور کیجئے کہ یہ حضرات مسلمانوں کو کہاں لے جا رہے تھے؟

ظفر حسن ایبک لکھتے ہیں:

"راجہ مہندر پرتاپ ہندوستان کے آزاد ہونے پر وہاں ایک ہندو حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔" (آپ بیتی ظفر حسن ایبک) (بحوالہ مقدمہ اکابر تحریک پاکستان)

افسوس یہ نازک صورت حال دیکھتے ہوئے کسی کو کسی قسم کے اندیشے لاحق نہ ہوئے۔ مولانا عبیداللہ سندھی کے اپنے خیالات بھی ملاحظہ کرتے جائیں۔

۱۔ "بے شک نماز واجب ہے لیکن اس کے فرض ہی۔ ہر نماز کے ساتھ سنتوں اور نفلوں کی زیادتی نے نفس نماز کو بوجھل بنا دیا ہے۔" (افادات و ملفوظات عبیداللہ سندھی۔ ۱۹۷۲ء ص ۴۵۸)

۲۔ "میں یہ مانتا ہوں کہ قرآن مجید میں جو تعزیراتی احکام ہیں یا حدیث وسنت ہیں بعض انتظامی معاشرتی اور معاشی امور کی جس طرح تعین وتحدد کی گئی ہے وہ ابدی اور غیر متبدل نہیں۔" (ایضاً ص ۱۲۴)

کانگریس کے نزدیک ہندوستان میں بسنے والے تمام مسلم اور غیر مسلم ایک متحدہ قومیت کے افراد تھے۔ یہی وہ فسوں ہے جس کا شکار مولانا محمود الحسن سے لے کر مولانا حسین احمد اور مولانا ابوالکلام آزاد تک سب لوگ ہوئے مولانا حسین احمد نے دہلی میں ۱۹۳۱ء میں کہا: "قومیں اوطان سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں"۔

مولانا کے اس نظریئے پر علامہ اقبال تڑپ اٹھے اور فرمانے لگے

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ — ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است — چہ بے خبر ز مقام محمد عربی ست
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست (ارمغان حجاز)

علامہ اقبال کی زندگی میں مولانا حسین احمد خاموش ہو گئے جونہی علامہ اقبال اللہ کو پیارے ہوئے انہوں نے "اسلام اور متحدہ قومیت" کے

نام سے پھر ایک رسالہ لکھ ڈالا اور اس میں تحدی سے کہا کہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ ٹھیک تھا علامہ اقبال غلط تھے۔ مسلمان اور کافر دو الگ الگ قومیں ہیں دونوں کے راستے جدا جدا ہیں۔ مسلمان سب سے پہلے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا سچا پیروکار ہے جو اسلام کا سرچشمہ ہے یہ دو قومی نظریہ کا بنیادی اصول ہے۔ دو قومی نظریہ ملت اسلامیہ کا نظریہ ہے۔ یہی نظریہ تحریک پاکستان کی بنیاد بنا۔

کانگریسی علما نے متحدہ قومیت کا نعرہ بلند کر کے ہندوؤں کو خوش کیا تھا۔ دو قومی نظریہ کے انکار کے بعد کیا مسلم امت اور ملت اسلامیہ کا تصور قرآنی ختم ہو کر نہیں رہ جاتا ہر ملک کا مسلمان جب اپنے آپ کو ایک علیحدہ قوم تصور کرے (ملک کی بنیاد پر) تو پھر اتحاد ملت اسلامیہ کس طرح پیدا ہو گا؟ اسلامی بلاک کیونکر وجود میں آئے گا؟ ایک ملک کا مسلمان کس بنیاد پر دوسرے ملک کے مظلوم مسلمان کی مدد کو پہنچے گا؟ صرف اپنے ملک کی سلامتی ہی اسے عزیز ہوگی پھر غلبہ دین اسلام مقصود و مطلوب قرآن اور اسلامی جہاد کا جذبہ کس طرح پیدا ہوگا؟

وہ تمام لوگ جو اسلامی نظام پر ایمان رکھتے ہیں، مسلمان قوم کہلائیں گے اور جو اسلامی نظام کا انکار کرتے ہیں کافر قوم کہلائیں گے۔ مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں خواہ خون، رنگ، زبان، وطن اور ایسی کتنی ہی مماثلتیں کیوں نہ پائی جائیں وہ ایک قوم نہیں بن سکتے وجہ تفریق صرف اور صرف ایمان ہے۔

حدیث پاک ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی۔ ۱۹۴۰ء کی قرارداد کے بعد مسلم لیگ سواد اعظم کی نمائندہ جماعت بن کر سامنے آئی۔ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کے فلک شگاف نعرے بلند ہوئے۔ علماء و مشائخ نے عوام کو باور کرایا کہ مسلم لیگ ان کی اپنی جماعت ہے، جس کی اساس کلمہ طیبہ پر اٹھائی گئی ہے۔ اس وقت مسلم لیگ کی قیادت کے لئے قائداعظم سے بہتر کوئی دوسری شخصیت نہ تھی۔ کوئی بھی ان کی قیمت نہ لگا سکا۔ کوئی بھی انہیں اپنے مقصد سے نہ ہٹا سکا۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے

''جو ایک مسلمان کی گردن آزاد کرائے گا وہ میرے ساتھ جنت میں جائے گا''۔ بھلا جس شخص نے لاکھوں کی گردنیں ہندوؤں، سکھوں سے آزاد کرائیں تو اس کا کیا مقام ہوگا!۔

جناب حافظ محمد افضل ایم اے کا خیال ہے کہ ''وہ دیانتداری سے سمجھتے تھے کہ اسلامیانِ ہند کا مجموعی مفاد اس میں ہے کہ ملک تقسیم نہ ہو۔ ہندوستان کے بٹوارے میں انہیں متعدد اندیشے لاحق تھے'' جمعیت علماء ہند نے تو آج تک کوئی متبادل نظام نہیں دیا صرف اندیشے ہی ظاہر کئے۔ اور حکومتِ الٰہیہ کے امکانات متحدہ ہندوستان میں جہاں مسلمان صرف ۲۵ فیصد تھے یا پاکستان جہاں، جو مسلم اکثریتی ریاست بن رہی تھی، اس میں امکانات زیادہ تھے۔ باقی جن لوگوں کو اندیشے لاحق تھے، ان سے قائداعظم نے اپیل کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

''اگر قوم پرست مسلمان واقعی مخلص اور دیانت دار ہیں تو انہیں مسلم لیگ کی حریف کانگریس کی پناہ چھوڑ دینی چاہئے وہ مسلمانوں کی قومی تنظیم میں شریک ہوں اور اس کی راہنمائی کریں اگر انہیں مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام سے اختلاف ہے تو انہیں چاہئے کہ وہ مسلم لیگ میں آئیں اور اس کی پالیسی اور پروگرام بنائیں یہ خودکشی کی پالیسی ترک کر دیں'' (مقام واحترام قائداعظم ص ۴۱۱)

لیکن افسوس بار بار یقین دہانیوں کے باوجود یہ لوگ کانگریس کے کیمپ سے باہر نہ آئے اور گاندھی کی آندھی میں انہیں کچھ نظر نہ آیا۔

متحدہ قومیت کے داعیان اور متحدہ ہندوستان میں غلبہ دین اسلام کا خواب دیکھنے والے بتائیں کہ:

۱:۔ کس طرح وہ سیاسی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی طور پر خود کو ہندو اکثریت کے تحت آزاد رکھ سکتے تھے؟

۲:۔ کتنے ہندوؤں اور مسلمانوں کے سر اتروا کر حکومتِ الٰہیہ قائم کر سکتے تھے؟

۳:۔ جو کردار پاکستان نے اسلامی کاز اور مسلم بلاک کی تشکیل کیلئے ادا کیا ہے اور امت مسلمہ کی سربلندی کے لئے جو قائدانہ رول ادا کیا ہے، کیا متحدہ ہندوستان کی صورت میں ایسا ممکن تھا؟

۴:۔ کس طرح مسلمان کلیدی اسامیوں پر براجمان ہوسکتے تھے؟

۵:۔کس بنیاد پر ہندوؤں کے مساوی حقوق حاصل کر سکتے تھے؟

آج ہندوستان کے اٹھارہ کروڑ مسلمان بے کسی اور بے بسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔مسلمانوں پر سرکاری نوکریوں کے دروازے بند کئے جارہے ہیں۔مسجدوں کو مندروں میں تبدیل کیا جارہا ہے۔

اسی پاکستان نے واقعی اسلام کو اجاگر کرنے میں وہ کام کیا ہے جو روئے زمین پر اور کہیں نہیں ہوسکا۔اسی ملک کے باشندوں نے دو بار تحفظ ختم نبوت کی تحریک چلائی، جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔اسی ملک کی قومی اسمبلی نے سب سے پہلے قادیانیوں کو بالاتفاق کافر قرار دیا۔اور نوے سالہ پرانے اس ناسور کو جسدِ ملت سے کاٹ کر دور پھینک دیا۔پھر آگے بڑھئے تو ناموس رسالت کے تحفظ کا قانون ہے اور یہی قانون دوقومی نظریہ کا حاصل ہے۔

ہاں ہاں اگر خدانخواستہ پاکستان نہ بنتا تو افغانستان اور ایران حسبِ منشاروس کا تر نوالہ بن گئے ہوتے۔اس کے بعد عرب ممالک کی سالمیت بھی خطرے میں پڑھ جاتی۔اگر پاکستان افغان مجاہدین کو پناہ نہ دیتا اوران کی فوجی اور مالی امداد نہ کرتا تو روس بھاگنے کی بجائے افغانستان کو ہڑپ کر کے ایران کی شاہ رگ پر بیٹھ گیا ہوتا۔تمام عالمِ اسلام کی نظریں پاکستان پر لگی ہوئی ہیں۔یہ واحد اسلامی نظریاتی ملک ہے۔اللہ تعالیٰ اوراس کے پیارے محبوب ﷺ کے لطف وکرم سے اب عالمِ اسلام کی یہ پہلی ایٹمی طاقت کی یہ حامل ریاست ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا یہ کہنا کہ قیامِ پاکستان کے مخالفین کو ہندوؤں کے عزائم کا درست اندازہ نہیں تھا، بالکل سفید جھوٹ ہے۔کانگرس کی مسلم دشمنی عملاً سب پر ظاہر ہو چکی تھی۔یہ لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ ہم متحدہ قومیت کے علمبردار رہے ہیں لہٰذا ہمیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔لیکن جونہی پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو ہندوؤں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔اکثر مخالفین نے پاکستان میں آکر سکھ کا سانس لیا۔اور پھر مجبوراً پاکستان کو تسلیم کرلیا۔مولانا عطاءاللہ شاہ بخاری ۱۹۴۶ء ہی میں نشانِ منزل کو دیکھتے ہی پکار اٹھے کہ ''حکومتِ الٰہیہ کے قیام اور شریعتِ اسلامیہ کا نفاذ ہونے والا ہے تو رب کعبہ کی قسم! میں آج ہی اپنا سب کچھ چھوڑ کر آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔'' حالانکہ اس سے قبل عطاءاللہ شاہ بخاری نے یہ پشین گوئی کی تھی

''پاکستان کا بننا تو بڑی بات ہے کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی 'پ' بھی بنا سکے،'' (تحریک پاکستان اور نیشلسٹ علماء ص ۸۸۳)

ڈاکٹر اسرار احمد اور حافظ محمد افضل ایم اے دونوں نے اپنے مضامین میں لکھا ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی نے قیامِ پاکستان پر فرمایا کہ یہ مسجد ہے اس کی حفاظت ہر مسلمان پر فرض ہے۔لیکن افسوس اس کے فرزندِ ارجمند مولانا اسعد مدنی ابھی تک پاکستان دشمنی میں اپنی مثال آپ ہیں۔انہیں جب بھی موقع ملتا ہے، پاکستان آکر زیرِ زمین کاروائیاں کرتے ہیں اور قیامِ پاکستان پر تابڑ توڑ حملے کرتے ہیں۔ڈاکٹر اسرار صاحب مزید لکھتے ہیں کہ ''قیامِ پاکستان کے حوالے سے علماء کرام اور مسلمانوں کا یہ اختلاف کوئی گناہ نہیں تھا۔'' قیامِ پاکستان کی مخالفت گناہ سے کم نہیں ہے مشرقی پاکستان کی علیحدگی (یعنی بقول حسین احمد مدنی پاکستان ایک مسجد ہے، تو اس کے ایک حصہ کی علیحدگی پر) کے بعد فیصل آباد میں تقریر کرتے ہوئے مولانا مفتی محمود نے خود اعتراف کیا ''خدا کا شکر ہے ہم پاکستان کے قیام کے گناہ میں شامل نہیں تھے۔'' (ماہنامہ فیضان فیصل آباد جون جولائی ۱۹۷۸ء)

وہ لوگ جو آج تک اپنے اکابرین کی تقلید میں قائدِ اعظم کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں انہیں غور کرنا چاہئے کہ غازی علم دین شہید کے بارے میں تو آج تک کسی نے ریسرچ نہیں کی کہ آیا وہ نماز پڑھتے تھے یا نہیں؟ داڑھی رکھی تھی کہ نہیں؟ عالم فاضل تھے کہ نہیں؟ بلکہ جو کام انہوں نے کیا اسی نسبت سے وہ غازی اور شہید کہلائے۔نیکیاں تو انسان سے بہت سی سرزد ہوتی ہیں مگر ایک ہی خاص اور غیر معمولی نوعیت کی نیکی ہوتی ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ اس کو مقرب بنالیتا ہے۔قائدِ اعظم نے جو کارنامہ سرانجام دیا وہ عالموں اور زاہدوں کو بھی نصیب نہ ہوا۔ایں سعادت بزورِ بازو نیست

''اللہ!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پاکستان''

شاہ ابرار زندہ و مختار

حضور مفکر اسلام
پروفیسر محمد حسین آسی علیہ الرحمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انبیاء کرام (علیہم السلام) کی حیات برزخی: جہاں تک انبیاء کرام علیہم السلام کی برزخی زندگی کا تعلق ہے' اس میں کسی بھی صاحب ایمان کو اختلاف نہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس رادر وخلافے نیست حیات جسمانی' دنیوی' حقیقی''۔ (اشعۃ اللمعات' ص ۷۴۵' ج ۱)

ترجمہ: انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگی پر سب کا اتفاق ہے' اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ یہ زندگی جسمانی' دنیوی اور حقیقی ہے''۔

اس کی مزید وضاحت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے اشعار میں ملاحظہ فرمائیے۔

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے
مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات
مثل سابق وہی جسمانی ہے
روح تو سب کی ہے زندہ' ان کا
جسم پر نور بھی روحانی ہے
اوروں کی روح ہو کتنی ہی لطیف
ان کے اجسام کی کب ثانی ہے
پاؤں جس خاک پہ رکھ دیں وہ بھی
روح ہے پاک ہے نورانی ہے
یہ ہیں حی ابدی ان کو رضا
صدق وعدہ کی قضا مانی ہے

آیئے اب احادیث شریفہ کی طرف۔

۱۔حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے (ایک طویل حدیث کے آخر میں) فرمایا:

ان اللہ حرم علی الا رض ان تا کل اجسا د الا نبیاء فنبی اللہ حی یرزق (ابن ماجہ شریف)

ترجمہ:''بیشک اللہ نے نبیوں کے جسموں کا کھانا زمین پر حرام کردیا ہے سو اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اسے رزق دیا جاتا ہے۔''

(اس حدیث کو حافظ منذری نے الترغیب والترہیب' ج۲' دیوبندی عالم بدر عالم میرٹھی نے ترجمان السنہ' ج۳' غیر مقلد قاضی شوکانی نے نیل الاوطار' ج۳' امام زرقانی نے زرقانی علی المواہب' ج۵' حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب' ج۳' میں قابل اعتماد اور اس کی سند کو جید قرار دیا ہے)

۲۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حضور ﷺ نے فرمایا:

الا نبیاء احیا ء فی قبو رھم یصلو ن (مسند ابو یعلی موصلی' ج۶' شفاء السقام)

ترجمہ:''انبیاء کرام زندہ ہوتے ہیں' اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں''۔

۳۔مسلم شریف کی ایک روایت متعلقہ معراج میں سرکار عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

مر رت بقبر مو سیٰ فاذا ھو قائم یصلی فی قبرہ۔

ترجمہ:''میں موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرا وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

۴۔واقعہ معراج میں مشہور و متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے بیت المقدس میں تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کی نماز میں امامت فرمائی۔

نوٹ: اس واقعے میں شامل ہے کہ مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کی قبور مقدسہ میں بھی اور یونہی اس وقت آسمانوں میں بھی حضور اکرم ﷺ نے دیکھا۔ گویا محبوبان خدا اپنی قبروں میں زندہ ہی نہیں بلکہ ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ مقامات پر جلوہ افروز بھی ہوسکتے ہیں۔ گویا ان کے بدن' روح کی طرح لطیف ہوتے ہیں اس لئے ایک ہی وقت میں وہ زیادہ مقامات پر موجود ہوسکتے ہیں۔ جیسا کہ تفسیر روح المعانی کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام بیک وقت حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے تھے اور سدرۃ المنتہیٰ پر موجود بھی۔

۵۔حجۃ الوداع میں مختلف انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضور ﷺ کا وادی ازرق سے گزر ہوا۔ آپ نے فرمایا' یہ کونسی وادی ہے؟ لوگوں نے کہا یہ وادی ازرق ہے آپ نے فرمایا گویا کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلندی سے اترتے دیکھ رہا ہوں اور وہ بلند آواز سے اللھم لبیک کہہ رہے ہیں۔ پھر آپ وادی ہرشی پر آئے۔ آپ نے پوچھا یہ کونسی وادی ہے؟ لوگوں نے کہا یہ ہرشی کی وادی ہے۔ آپ نے فرمایا گویا میں یونس ابن متی (علیہ السلام) کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایک طاقتور سرخ اونٹنی پر جس کی نکیل کھجور کی چھال کی ہے' سوار ہیں۔ اونی جبہ پہنے ہیں اور وہ اللھم لبیک کہہ رہے ہیں۔ (مسلم شریف کتاب الایمان' باب الاسراء)

۶۔حضرت دانیال علیہ السلام کا واقعہ۔ حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا' دانیال علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے یہ دعا کی تھی کہ انہیں محمد ﷺ کی امت دفن کرے۔ چنانچہ جب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے قلعہ تستر فتح کیا تو انہیں ان کے تابوت میں اس حال میں پایا کہ ان کے (جسم کی) تمام رگیں اور وریدیں چل رہی تھیں۔ (البدایہ والنہایہ ج۲) چنانچہ لشکر اسلام نے آپ کو دفن کیا۔

گویا سینکڑوں برس گزرنے کے باوجود حضرت دانیال علیہ السلام کا جسم مبارک صحیح و سالم تھا۔

قرآنی دلیل: البدایہ والنہایہ کی مذکورہ روایت کسی کو ناقابل یقین نظر آئے تو حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کے وصال شریف کے واقعے پر جو قرآن

پاک میں مذکور ہے، غور کرے۔

ہوا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کھڑے کھڑے جنات سے بیت المقدس کی تعمیر کرار ہے تھے کہ اسی حال میں روح مبارک قبض کی گئی۔ مفسرین کے نزدیک ایک سال تک حضور کھڑے رہے اور جنات کو آپ کے وصال شریف کا علم نہ ہوسکا۔ ان کے خیال میں آپ حسب سابق نگرانی فرما رہے تھے کہ دیمک نے آپ کا عصا اس حد تک کھالیا کہ حضرت کا جسم مبارک زمین پر آ رہا۔ اب ان پر حقیقت حال کھلی۔ قرآن پاک فرماتا ہے:

فلما قضينا عليه المو ت ما دلهم علیٰ مو ته الا دآبة الا رض تا كل منسا ته فلما خر تبنت الجن ان لو كا نو يعلمو ن الغيب ما لبثوا فى العذاب المهين o (السبا۔۱۴)

ترجمہ: ''پھر جب ہم نے ان پر موت واقع کردی تو جنات کو ان کی موت پر کسی نے رہنمائی نہ کی سوا دیمک کے کیڑوں کے جو ان کے عصا کو کھاتے رہے۔ جب (اس وجہ سے) آپ گرے تو جنوں کو معلوم ہوگیا کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو ذلت کے عذاب میں (اتنی دیر) مبتلا نہ رہتے۔

حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی برزخی زندگی:

اے خضر زندگی ز حیات النبی طلب　　　آب حیات تشنہ کام محمد است

اوپر تفصیل سے بیان ہو چکا کہ شہدا، صالحین اور خصوصاً انبیاء و رسل علیہم السلام اپنی مقدس قبروں میں زندہ ہیں بلکہ خدا کے دشمن بھی جو عذاب کے مستحق ہیں کچھ شعور اور علم و ادراک رکھتے ہیں جو ان کی برزخی زندگی کی دلیل ہے۔ اس کے باوجود بعض لوگوں کا حضور پرنور ﷺ کو قبر مقدس میں زندہ نہ ماننا کتنے ظلم کی بات ہے۔ ذرا سوچیے سرور عالم ﷺ کے دین، تعلیم یا عزت پر کٹ مرنے والا ایسا زندہ ہو کہ اسے مردہ کہنے بلکہ مردہ تصور کرنے سے بھی قرآن پاک روک دے اور وہ ذات پاک جس کے صدقے میں یہ زندگی میسر ہوئی، اسے معاذ اللہ...... سمجھ لینا توحید کا لازمی تقاضا قرار پائے، کتنی خلاف عقل و ایمان بات ہے۔

اس کے علاوہ حضور پرنور ﷺ خود شہید بھی ہیں کیونکہ آپ کا وصال شریف اس زہر کی بنا پر ہوا تھا جو تین سال قبل خیبر میں آپ کو دیا گیا تھا اور جس کے اثر سے ایک صحابی حضرت بشیر بن براء بن معرور (رضی اللہ عنہ) اسی وقت شہید ہو گئے تھے۔ (بخاری و بیہقی)

پھر نبی ہونے کی وجہ سے بھی آپ زندۂ جاوید ہیں جیسا کہ مذکورہ احادیث کی رو سے ہر نبی زندہ رہتا ہے۔ (ﷺ)

حضور ﷺ کی زندگی کا امتیازی پہلو: یوں تو ہر نبی و رسول علیہ السلام قبر میں زندہ ہوتا ہے، نماز و حج وغیرہ ادا کرتا ہے تاہم حضور پرنور ﷺ کی زندگی امتیازی و انفرادی شان رکھتی ہے اور وہ یہ کہ آپ کے سوا کوئی بھی حیات بالذات سے متصف نہیں ہے۔ خالق حیات نے اپنے خصوصی فضل سے آپ کو اصل حیات، جان حیات بلکہ مدار حیات بنایا ہے۔ خالق و مخلوق کے درمیان آپ برزخ کبریٰ ہیں۔

ادھر اللہ سے واصل، ادھر مخلوق میں شامل　　　خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

ہر نعمت اولیٰ حضور اکرم ﷺ کو ملتی ہے اور پھر حضور ﷺ کے وسیلے سے دوسروں تک پہنچتی ہے، جیسا کہ بخاری شریف میں وارد ہے

انما انا قا سم و الله المعطى

ترجمہ: 'میں ہی (ہر نعمت کا) تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ ہی (ہر نعمت کا) عطا فرمانے والا ہے'۔

یونہی نعمت وجود بھی دوسروں کو حضور پرنور ﷺ کے طفیل ہی حاصل ہوئی ہے۔ چنانچہ فرمایا

اول ما خلق اللہ نوری ومن نوری خلق جمیع الکائنات

ترجمہ: ''سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا فرمایا اور میرے نور سے ساری کائنات کو پیدا فرمایا''

(المیلا دالنبوی از علامہ ابن جوزی)

اور حدیث تقسیم نور جسے مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی کتاب ''نشر الطیب'' میں سب سے پہلے درج فرمایا اس کا ابتدائی حصہ یوں ہے:

''عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کونسی چیز پیدا کی۔ آپ نے فرمایا' اے جابر اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کو نور اپنے نور سے (نہ بایں معنی کہ نور الٰہی اس کا مادہ تھا بلکہ اپنے نور کے فیض سے) پیدا کیا۔ آگے تصریح ہے کہ مختلف چیزوں کو اسی نور کے فیض سے پیدا فرمایا۔

پھر قرآن پاک کی رو سے حضور اکرم ﷺ کو رحمتہ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے یعنی سب عالمین کے لئے رحمت۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ سب جہانوں کے لئے رحمت ہیں تو آپ کا وجود مسعود عالمین سے پہلے ہونا چاہئے اور جب تک عالمین موجود رہیں' آپ کو بھی واسطہ رحمت وفیض بننے کے لئے موجود رہنا چاہئے تاکہ عالمین کسی وقت بھی حضور ﷺ کے فیضان سے محروم نہ رہیں۔ اسی وجہ سے آپ سب کے محتاج الیہ (۵) ہیں۔ یعنی اللہ سب کا خالق ومالک اور غنی ہے تو حضور ﷺ سب کی ضرورت۔ مولانا روم قدس سرہ فرماتے ہیں:

زانکہ ذاتش ہست محتاج الیہ　　　زیں سبب فرمود حق صلوا علیہ

ترجمہ: ''چونکہ حضور پرنور ﷺ کی ذات پاک محتاج الیہ ہے (کہ سب کو آپ کی حاجت ہے) اس لئے حق تعالیٰ نے آپ پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے (تاکہ یہ نکتہ ذہین نشین رہے کہ ہر ایک کی خیر حضور ﷺ سے وابستہ ہے)

عالمین سے پہلے ہونے اور آخر تک رہنے کی وجہ سے مخلوق کی حد تک حضور ﷺ اول بھی ہیں اور آخر بھی۔ حضرت اقبال نے خوب فرمایا:

نگاہ عشق ومستی میں وہی اول' وہی آخر　　　وہی قرآں' وہی فرقاں' وہی یٰسین' وہی طٰہٰ

منصب رسالت کا تقاضا: رسالت گویا مخلوق تک خدا کا پیغام پہنچانے کا منصب ہے۔ رسول وہ ہے جسے پیغام دے کر بھیجا جائے اور جن کی طرف بھیجا جائے وہ ہیں مرسل الیہم۔ ظاہر ہے جب تک رسول کا مرسل الیہم کے ساتھ مخصوص قسم کا رابطہ نہ ہوگا' رسالت کے تقاضے کیونکر پورے ہوں گے۔ ہمارے رسول ﷺ ساری مخلوق کی طرف رسول ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

ارسلت الی الخلق کافۃ (مسلم شریف)

ترجمہ: ''میں ساری خلقت کی طرف بھیجا گیا ہوں''۔

لہذا حضور ﷺ کا اللہ کی ساری مخلوق سے رابطہ رہنا ضروری ہے۔ جب سے رسول ہیں' اسی وقت سے رابطہ ہے اور جب تک رسول ہیں' یہ رابطہ قائم رہے گا۔ یہ رابطہ علمی بھی ہونا چاہئے عملی بھی اور چونکہ عالم ارواح، عالم اجسام' عالم برزخ اور عالم آخرت کے بیک وقت رسول ہیں لہذا یہ علمی و عملی رابطہ بھی ہر وقت ہر ایک سے ہونا چاہئے۔ چنانچہ حضور پرنور ﷺ جب عالم ارواح میں جلوہ افروز تھے' عالم اجسام (یعنی دنیا) کے ساتھ آپ کے رابطے کا کیا عالم تھا' عم رسول حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے اشعار میں اس کا جواب تلاش کریں۔ ہوا یہ کہ حضور پرنور ﷺ غزوہ تبوک سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' یا رسول اللہ! مجھ کو اجازت دیجئے کہ کچھ آپ کی مدح کروں (چونکہ حضور کی مدح خود طاعت ہے اس لئے) آپ نے ارشاد فرمایا کہ کہو اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو سالم رکھے۔ انہوں نے یہ شعر آپ کے سامنے پڑھے۔ (نشر الطیب) ان کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین پر آنے سے پہلے آپ جنت میں تھے' پھر آدم علیہ السلام کے ساتھ زمین پر تشریف لے آئے'

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار تھے' پھر نار خلیل میں داخل ہوئے' اسی لئے وہ سرد ہو گئی۔ یونہی مختلف صلبوں اور رحموں میں جلوہ گر ہوتے ہوئے آخر دنیا میں رونق افروز ہوئے اور ساری زمین آپ سے منور ہو گئی

یہ حدیث پاک مضمون کی ابتدا میں گزر گئی ہے کہ حضور اکرم ﷺ قبر میں جلوہ افروز ہوتے ہیں اور آپ کے بارے میں بھی نکیرین مردے سے سوال کرتے ہیں۔ اب چونکہ حضور پرنور ﷺ خود برزخ میں ہیں لہذا سوال کے وقت مردوں کی قبروں میں آپ کا تشریف لانا گویا برزخ سے برزخ میں تشریف لانا ہے' مگر اس وقت جب حضور اکرم ﷺ دنیا میں جلوہ گر تھے' اس وقت بھی تو مردے کے سوال کے وقت اس کی قبر میں تشریف فرما ہوتے تھے اور وہ تھا عالم اجسام (دنیا) سے عالم برزخ میں قدم رنجہ فرمانا

مختصر یہ رسول کا مرسل الیہم کے ساتھ رابطہ منصب رسالت کا ضروری و بدیہی تقاضا ہے اور حضور پرنور ﷺ چونکہ تمام عالمین کے رسول ہیں لہذا آپ کا ہر عالم سے ہر وقت رابطہ ہے۔ ظاہر ہے زندگی کے بغیر رابطہ کیسا...... گویا رسول ہونے کا اولین تقاضا یہی ہے کہ حضور ﷺ زندہ ہیں' ایسے زندہ کہ کائنات کا ہر ذرہ پیش نظر بھی ہے اور اس میں تصرف کا اختیار بھی۔

امت پر خصوصی نظر کرم: جب رحمۃ للعالمین اور نذیر للعالمین ہونے کے ناتے حضور پرنور ﷺ ساری کائنات سے علمی و عملی رابطہ رکھے ہوئے ہیں تو اپنی امت پر حضور پرنور ﷺ کی توجہ کا کیا عالم ہوگا جن کے لئے خصوصی طور پر آپ سراپا کرم ہیں جیسا کہ قرآن گواہی دیتا ہے

بالمو منین رؤف رحیم o

بلکہ آیئے ساری آیت پر غور کریں۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمو منین روف رحیم

ترجمہ: ''بیشک تمہارے پاس تم میں سے ایک عظمت والے رسول تشریف لائے' ان پر سخت گراں ہے تمہارا مشقت میں پڑنا۔ بہت چاہنے والے ہیں تمہاری بھلائی کو' ایمان والوں پر نہایت مہربان بے حد رحم فرمانے والے ہیں''۔

اس میں عزیز علیہ ما عنتم (یعنی گراں ہے ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا) کا جملہ کتنی وضاحت سے حضور اکرم ﷺ کے اس رابطے اور توجہ کو جو امت کے شامل حال ہے بیان فرما رہا ہے یعنی مومنوں کو جس مشقت سے (جہاں بھی اور جب بھی) دوچار ہونا پڑے حضور اکرم ﷺ کو گراں گزرتی ہے۔ مومن کہیں بھی ہوں' دنیا کے دوراز گوشوں میں ہوں یا مدینہ منورہ کے قریب' عالم اجسام میں ہوں یا عالم برزخ میں' کسی قسم کی ذہنی و فکری' مالی و معیشی' ظاہری و باطنی پریشانی میں مبتلا ہوں' حضور پرنور ﷺ کو اس سے دکھ ہوتا ہے۔ کیوں' اس لئے کہ وہ ہیں حریص علیکم (یعنی بہت ہی خواہشمند تمہاری بھلائی کے) اور بالمومنین روف رحیم o یعنی مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والے' بہت رحم فرمانے والے)

پھر تفسیر قرطبی کے مطابق دیکھا جائے تو آیت میں خطاب سب اہل جہان سے ہے اور عزیز علیہ ما عنتم سے مراد یہ ہے کہ کسی انسان کا بھی مشقت میں پڑنا حضور اکرم ﷺ پر گراں گزرتا ہے۔ نیز حریص علیکم کی روشنی میں آپ ساری انسانیت کی بھلائی کے خواہشمند ہیں' جب سب کے ساتھ آپ کے مشفقانہ فکر و عمل کا یہ حال ہے تو اپنے غلاموں پر کیا کرم ہوگا۔ چنانچہ بالمومنین روف رحیم یعنی اہل ایمان پر تو کمال مہربان ہیں۔

غور فرمایئے یہ سب صفات ہیں رسول ہونے کی حیثیت سے' سو جب تک وہ رسول ہیں سارے انسانوں خصوصاً مسلمانوں پر تو بے حد شفیق ہیں۔ ظاہر ہے اس قسم کی شفقت' رافت و رحمت کا تقاضا آپ کا زندہ ہونا ہی نہیں بلکہ سب کے حال سے آگاہ ہونا اور ان کے دکھ درد دور کرنے کا اختیار رکھنا بھی ہے۔

قرآن پاک پر غور فرمائیں تو مومن کا ایمان بھی اللہ کی توفیق اور حضور سرورِ عالم ﷺ کی برکت وتوجہ پر منحصر ہے۔ بلکہ اللہ کی توفیق کا ظہور بھی حضور پرنور ﷺ کی برکت وتوجہ کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ یعنی حضور ﷺ کسی کو برکت وتوجہ سے نواز کر کفر وشرک یا معصیت وغیرہ سے پاک کرتے ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ اسے توفیق ہدایت وصالحیت دے چکا۔ جس طرح رسول اپنے منصب کے اعتبار سے اللہ کا مظہر ہے' رسول کی رضا اللہ کی رضا کی مظہر اور اس کا ارادہ اللہ کے ارادے کا مظہر' (۷) یونہی اس کی برکت وتوجہ اللہ کی توفیق کی مظہر ہوتی ہے۔

آیئے اس کا فیصلہ قرآن پاک سے لیں۔ سورۃ الجمعہ کی آیت نمبر ۲۔۳ دیکھئے:

هو الذى بعث فى الامين رسولا منهم يتلو ا عليهم ايا ته و يز كيهم و يعلمهم الكتب و الحكمة وان كانو ا من قبل لفى ضلل مبين٥ و ا خرين منهم لما يلحقوا بهم وهو العزيز الحكيم٥

ترجمہ: "وہی جس نے امی لوگوں میں انہی میں سے (عظمت والے) رسول کو بھیجا وہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتے ہیں اور بیشک وہ لوگ (ایمان لانے سے) پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے اور ان میں سے دوسروں کو (بھی علم وحکمت سکھاتے اور پاک کرتے ہیں) جو ابھی ان (پہلے لوگوں) سے نہیں ملے اور وہی (اللہ) بڑا غالب بڑا حکمت والا ہے"۔

اب اتنی وضاحت کے بعد کیا اس حقیقت میں کوئی شک رہ جاتا ہے کہ قیامت تک جو پاک ہوگا حضور اکرم ﷺ ہی کی نظر رحمت سے پاک ہوگا۔ حضور پرنور ﷺ زندہ ہی نہیں اللہ کے فضل وکرم سے دلوں کو بدعقیدگی اور بدنظری وبدعملی سے بچاتے بھی ہیں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا یہ تصرف اللہ جل مجدہ کے ارادے اور توفیق کا مظہر ہے۔

حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ کا عقیدہ: محمد نیاز الدین خاں مرحوم کے نام ایک خط میں حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"نبی کریم (ﷺ) کی زیارت مبارک ہو۔ اس زمانے میں یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔ دوسری رویا کا بھی مفہوم یہی ہے۔ قرآن کثرت سے پڑھنا چاہئے تا کہ قلب محمدی (ﷺ) سے نسبت پیدا کرے۔ اس نسبت محمدیہ کی تولید کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معانی بھی آتے ہوں۔ خلوص ومحبت کے ساتھ محض قرات کافی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی ان کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ ہوا کرتے تھے۔

(مکاتیب اقبال' ص ۴۰' بنام محمد نیاز الدین خاں)

علاوہ ازیں حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے قاضی عبدالمجید قریشی صاحب کو چار خوش نصیب انسانوں کے ایمان لانے کی کہانیاں سنائیں جن میں سے چوتھی کہانی کی تمہید یوں بیان فرمائی:

پہلے تمہید سن لیجئے' ڈاکٹر اقبال نے فرمایا' شاید بعض لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ حضرت محمد ﷺ اب تبلیغ دین نہیں فرماتے۔ ایسا سمجھنا مذہب عشق میں داخل خطاکاری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی قوت ایسی نہ تھی جسے وقتی یا زمانی سمجھا جائے۔ حضور ﷺ قیامت تک کیلئے پیشوائے انسانیت ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حضور ﷺ کی ہر قوت قیامت تک کارفرما رہے گی۔ حضور ﷺ کا جلال بھی قیامت تک کارفرمائی کرے گا اور جمال بھی۔ آپ قیامت تک کے مجاہد' قیامت تک کے مبلغ ہیں' قیامت تک کے مصلح ہیں اور قیامت تک رحمتہ للعالمین ہیں بلکہ اس سے بھی آگے بہت دور تک۔ (علامہ اقبال کی چار ایمان افروز سچی کہانیاں' از قاضی عبدالمجید قریشی ---ماہنامہ "انوار لاثانی' اپریل ۱۹۹۰ء)

احکام و مسائل قربانی

ہر امت میں قربانی کسی نہ کسی شکل میں جاری رہی ہے۔

اس امت میں قربانی مخصوص جانور ایام مخصوصہ میں ذبح کرنے سے ادا ہوتی ہے۔اس خاص انداز سے قربانی جو اس امت میں جاری ہے، اسے سنت ابراہیم بھی کہا جاتا ہے۔

سنت ابراہیم: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اصحاب رسول اللہ ﷺ نے آپ سے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ، ان قربانیوں کی کیا نوعیت ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔انہوں نے عرض کیا کہ ان میں ہمارے لئے کیا منفعت (اجر) ہے۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے ان قربانیوں کے بدن کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے۔انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اون والے جانوروں کا کیا اجر ہے۔آپ نے فرمایا اون کی ہر تار کے بدلے نیکی ہے۔

ہر سال قربانی:

اس کو احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ترمذی میں ہے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا آنحضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور ہر سال آپ نے قربانی کی۔ (مشکوۃ شریف ص ۱۲۹)

ذبح سے پہلے آپ کی دعا:

حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے سینگوں والے مینڈھے کا حکم فرمایا، جس کے پاؤں، پیٹ اور آنکھیں سیاہ تھیں، اسے لایا گیا تا کہ قربانی کی جائے۔ام المومنین کو فرمایا اے عائشہ چھری لاؤ، پھر فرمایا اسے پتھر پر تیز کرو، آپ فرماتی ہیں میں نے اسے تیز کیا، پھر آپ نے مینڈھے کو پکڑ کر لٹایا اور چھری لے کر ذبح کیا، اور یہ پڑھا بسم اللہ اے اللہ یہ مینڈھا محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ اور امت محمد ﷺ کی طرف سے قبول فرما، پھر اسے قربانی کیا۔مسلم نے اسے روایت کیا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ قربانی کے روز سینگوں والے دو مینڈھے خصی ذبح فرماتے اور جب انہیں آپ نے قبلہ رو کیا تو پڑھا

انی وجهت وجهی للذی فطر السموٰت والا رض علیٰ ملة ابراهیم حنیفا و ما انا من المشرکین ○ان صلاتی

ونسکی محیا یا و مماتی لله رب العلمین لا شریک له و بذالک امر ت و انا من المسلمین.

ترجمہ: اے اللہ یہ تیری توفیق سے ہے اور تیری رضا کے لئے محمد ﷺ اور امت محمد ﷺ کی طرف سے، بسم اللہ واللہ اکبر پڑھا اور پھر ذبح فرمایا۔ (اس کو احمد ابوداؤد ابن ماجہ دارمی نے روایت کیا)

قربانی کا اجر اور اس کی فضیلت:

حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ رسول ﷺ نے فرمایا، کہ قربانی کے دن قربانی ذبح کرنے سے بہتر کسی انسان نے کوئی عمل نہیں کیا۔ سب اعمال سے اس روز اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب قربانی ذبح کرنا ہے، اور قربانی کرنے والا قیامت کے روز قربانی کے جانور کی کھریاں سینگ بال سب اپنے ہمراہ لائے گا اور قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے بارگاہ خداوندی میں قبولیت کے خاص مرتبہ و مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ تو تم اس قربانی کو دل کی پاکیزگی اور شوق سے کرو۔ اس کو ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا۔

احکام قربانی:

ہر مسلم آزاد مرد اور عورت پر جو کہ مقیم اور صاحب نصاب ہو قربانی واجب ہے، مسافر اور فقیر پر واجب نہیں، ہاں اگر یہ قربانی کریں تو جائز ہے اور باعث ثواب ہے، اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی قربانی کرے تو اچھا ہے۔

قربانی کرنے کا وقت:

قربانی کا وقت شہری کے لئے نماز عید کے بعد سے ۱۲ ذولحجہ کے غروب آفتاب ہے۔ مگر افضل پہلا دن ہے، پھر دوسرا ، پھر تیسرا ہے۔ اسی طرح درمیان کی دو راتوں میں قربانی ہو سکتی ہے، مگر مکروہ ہے۔

تکبیرات تشریق:

۹ ذولحجہ کی فجر سے ۱۳ ء ذوالحجہ کی عصر تک ہر فرض نماز کی جماعت کے بعد مرد پر یہ تکبیر پڑھنا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر، وللہ الحمد، ایک بار کہنا واجب ہے اور تین بار افضل ہے۔ اور یہ تکبیر تشریق سلام کے فوراً بعد پڑھی جاتی ہے۔ تنہا نماز پڑھنے والے پر یہ تکبیر پڑھنا ضروری نہیں، اگر کہہ لے تو اچھا ہے۔ مسافر یا دیہاتی عورت پر یہ تکبیر پڑھنا واجب نہیں۔ مگر جب شہر میں مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھیں تو تکبیر واجب ہے، مگر عورت آہستہ کہے۔

قربانی کے جانور:

اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری اور دنبہ نر ہو یا مادہ، قربانی کے یہی جانور ہیں، ان کے سوا اور کسی کی قربانی جائز نہیں۔ خصی جانور کی قربانی افضل ہے، اونٹ، گائے بھینس میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

قربانی کے جانوروں کی عمر

اونٹ پانچ سال کا، گائے اور بھینس دو سال کی، بھیڑ اور بکری ایک سال کی، اس سے کم عمر کے یہ جانور جائز نہیں، زیادہ عمر کے ہوں تو جائز

بلکہ افضل ہے ہاں دنبہ یا پھر بھیڑ کا چھ ماہ کا بچہ اتنا بڑا ہو کہ دور سے دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو، اس کی قربانی جائز ہے، اگر سال کا ہو تو افضل ہے

مستحب یہ ہے کہ قربانی کا جانور خوبصورت موٹا تازہ اور بڑا ہو، جانور راندھا ہو یا کانا، جس کا کانا پن ظاہر ہو، یا اتنا لاغر ہو کہ جس کی ہڈیاں میں مغز نہ ہو، یا ایسا لنگڑا ہو کہ جو قربان گاہ تک اپنے پاؤں سے نہ جاسکے، یا ایسا بیمار ہو کہ جس کی بیماری ظاہر ہو، جس کے کان، دم یا چکی تہائی سے زیادہ کٹے ہوں، یا جس کے دونوں کان یا ایک کان نہ ہو، یا جس بکری کا ایک تھن خشک ہو، یا جس گائے کے دو تھن خشک ہوں تو ان سب کی قربانی ناجائز ہے، جس جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں، اس کی قربانی جائز ہے۔

بہتر یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کریں، ایک حصہ فقراء کے لئے، ایک دوست واحباب کے لئے اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لئے۔

کسی کی طرف سے قربانی:

اگر گھر کا سرپرست غنی اپنی قربانی کسی کی طرف سے کردے تو اس کا واجب سر سے اتر جائے گا۔ اور جس کی طرف سے کرے اس کو بھی قربانی کا ثواب پہنچ جائے گا۔ خواہ وہ میت ہو یا زندہ۔

اگر مرنے والا وصیت کر گیا ہے تو پھر اس کی طرف سے علیٰحدہ کرے۔ کیونکہ ایک اس پر اپنی واجب ہے اور دوسری اس کی وصیت سے اس پہ واجب ہے۔ اور دو واجب ایک جانور سے نہیں اترتے۔ اگر وصیت نہیں کی تو ایک کافی ہے۔

قربانی کے چمڑے کا مصرف:

قربانی کی کھال ہر نیک کام میں صرف کرسکتے ہیں۔ مگر اہل حاجت مثلاً فقیر، بیوہ، یتیم، مدارس، اہل سنت کے طلبا پر صدقہ کردیں تو افضل ہے، کھال یا اس کی قیمت قصاب کی اجرت میں دینا ناجائز ہے۔ ایسا کرنے والے کی قربانی قبول نہیں ہوگی، قربانی کے گوشت کو اجرت میں دینا منع ہے۔

مستحبات:

بقرعید کے دن نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا، غسل کرنا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا، اچھے کپڑے پہننا، نئے ہوں تو نئے ورنہ دھلے ہوئے ہوں، عیدگاہ میں نماز پڑھنا، جب کہ امام سنی ہو۔ صحیح العقیدہ صالح اور متقی ہو۔ اگر امام سنی عقیدہ کا نہ ہو یا فاسق ہو تو دوسری جگہ صحیح العقیدہ صالح متقی کے پیچھے نماز پڑھے، نماز عید کے لئے پیدل جانا اور بلند آواز سے تکبیر پڑھتے جانا، دوسرے راستہ سے واپس آنا، خوشی ظاہر کرنا اور آپس میں مبارک باد دینا، جس کا ارادہ قربانی کا ہو اس کے لئے ذوالحجہ کے چاند کی پہلی رات سے قربانی کرنے تک حجامت نہ بنوانا اور ناخن نہ تراشنا بھی مستحب ہے۔

نوافل: شب ترویہ یعنی ذوالحجہ کی آٹھویں رات کو ۱۶ رکعت نفل پڑھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی ایک بار، سورہ اخلاص ۱۵ بار شب عرفہ یعنی ذوالحجہ کی نویں سو رکعت نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد آیت الکرسی سو بار دوسری میں اخلاص سو بار، روز عرفہ یعنی نویں ذوالحجہ کے دن ظہر اور عصر کے درمیان چار رکعت نفل پڑھے، ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص ۱۵ بار پڑھے۔ نماز عید ادا کرنے کے بعد گھر میں دو رکعت نفل ادا کرے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ کوثر ۳ بار پڑھے۔ اس کے علاوہ آٹھویں اور نویں کے روزہ کا ثواب بھی احادیث میں بہت آیا ہے۔

اپنی اپنی منزل، اپنی اپنی راہ

سعید ملت علامہ سعید محمد عامر حسینی آسوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ایک حقیقت ہے کہ جناب علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ اور حضرت قائداعظم علیہ الرحمہ جیسی ہستیاں مسلمانان پاکستان کے لئے خداوند کریم کا بہت بڑا انعام تھیں۔ اول الذکر نے ایک علیحدہ اسلامی سلطنت کا تصور وخاکہ پیش کیا ور موخرالذکر نے اس میں حقیقت کے رنگ بھرے۔ قلیل سے وقت میں خواب غفلت کا شکار قوم کو تحریک آزادی کے لئے آمادہ کرنا اور پھر اسے منزل مقصود تک پہنچانا یقیناً ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے اور جب تک اس مملکت خداداد کا وجود ہے ان پر عقیدت واحترام کے پھول نچھاور ہوتے رہیں گے اور ان کی قربانیاں ساکنان ملک سے خراج تحسین وصول کرتی رہیں گی۔

پھر حضرت قائد اور آپ کے ہمنواؤں کی عزت وعظمت کا تصور' قلب وذہن پر اس وقت اور بھی حاوی ہو جاتا ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا مقابلہ نہرو گاندھی اور پٹیل جیسے متعصب ہندوؤں نیز انگریز حکومت سے ہی نہیں تھا بلکہ ایسے بہروپیئے بھی تھے جو شیخ القرآن، شیخ الحدیث شیخ السلام وغیرہ کے لبادوں میں آکر یہ اعلان کر رہے تھے کہ قومیں وطنوں سے بنتی ہیں۔ ان کے نزدیک نسبت نبوت یعنی ایمان کی کوئی حیثیت نہ تھی، بلکہ اہمیت تھی تو وطنیت کی۔

ان کا نعرہ تھا کہ 'ہندو، مسلم' سکھ، عیسائی آپس میں ہیں بھائی بھائی بس پھر کیا تھا، حضرت اقبال علیہ الرحمۃ تڑپ اٹھے، اور ایسے ہی ایک تاریک ذہن شیخ کے حوالے سے آپ نے فرمایا

عجم ہو زند اند رموز دیں ورنہ — زدیو بند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است — چہ بے خبر ز مقام محمد ﷺ است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

ترجمہ: ''عجم کو ابھی دین کے اسرار ورموز کا علم نہیں، چنانچہ دیو بند سے حسین احمد جیسے لوگوں (کا پیدا ہونا) کتنا عجیب ہے۔ اس نے منبر رسول پر بیٹھ کر یہ گیت گایا ہے کہ قوم وطن سے بنتی ہے۔ یہ شخص مقام مصطفیٰ ﷺ سے کتنا بے خبر ہے۔ (پھر اس سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں) اپنے آپ کو حضور ﷺ کی بارگاہ تک پہنچا دے، اگر تو حضور ﷺ تک نہ پہنچا تو نری بولہبی (اور ابو جہلی) صورتحال ہے''

حضور ﷺ سے علمائے نجد ودیو بند کا تعلق:

یقیناً یہ نسبت مصطفویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر رنگ ونسل کو ترجیح دینے والے مقام مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثنا) سے بے خبر تھے اور اس

بے خبری میں اس قدر پیش قدمی کر چکے تھے کہ قیام میلاد سے تو خدا واسطے کا بیر تھا لیکن گاندھی جیسے اسلام دشمن کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ہم حضورﷺ کے لئے نورانیت کا اقرار کریں یا ''یارسول اللہﷺ'' جیسی معطر صدا سے پکاریں تو ان کے نزدیک شرک ہے لیکن اندازہ فرمایئے کہ نہرو جیسے مشرک و کمینہ خصلت کو کس قدر ڈھٹائی سے فرشتہ (نور) کہا جارہا ہے اور سلام پڑھا جارہا ہے۔ چنانچہ جب نہرو سعودی عرب گئے تو نجدی حکومت کے سربراہ شاہ سعود کی 'موتمر اسلامی' کے سیکریٹری، کرنل انور سادات، نے سرکاری روزنامے ''الجمھوریہ'' کی ایک خبر کے مطابق یوں کہا ''اے ایشیا کے فرشتے (نہرو) تم پر سلامتی ہو'' (روزنامہ کوہستان لاہور۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۵۶ء) پھر ''سعودی عرب میں نہرو کا ''مرحبا نہرو رسول السلام'' اور جے ہند کے نعروں سے استقبال ہوا۔'' (جنگ کراچی ۲۷، ۲۸، ۲۹ ستمبر ۱۹۵۶ء)

(نجدیوں کے اس نعرہ 'نہرو رسول السلام' پر ہندو اخبارات نے اسے اپنی بہت بڑی کامیابی قرار دیا۔ ''تیج'' دہلی ۲۷ ستمبر ۵۶ء اور یہ خبر نوائے وقت لاہور یکم اکتوبر ۵۶ء میں بھی شائع ہوئی) نبی محتشمﷺ کو (نعوذ باللہ) 'مردہ' کہنے والے گاندھی کو جب بقائے دوام اور منصب شہداء کا مالک گردانیں گے تو بتایئے شدت غم سے دل کے جتنے ٹکڑے ہوں گے، ان کو کون گنے گا۔ ملاحظہ فرمایئے، دیوبندیوں کے مولوی اقبال سہیل کے وہ اشعار جو اس نے گاندھی کی ''مدح سرائی'' میں لکھے

تری شان کون گھٹا سکے! اسے خود خدا نے بڑھا دیا
کہ تجھے بقائے دوام دی تجھے منصب شہداء دیا

(ماہنامہ فاران کراچی ص ۵۳۔ نومبر ۵۳ء)

اور سنئے! اپنے آقا و مولیٰﷺ کو محض اپنی مثل اور بڑے بھائی کا درجہ دینے والے گاندھی کے بارے میں کیا گل افشانی کر رہے ہیں۔ ''اس میں شبہ نہیں کہ گاندھی جی کی ہستی اس زمانہ میں ممتاز ترین ہستی تھی۔ اور بلا شبہ وہ ایسی اعلیٰ صفات سے متصف تھے، جو اس زمانہ میں خصوصاً بڑے لوگوں میں بالکل عنقا ہیں۔ (دیوبندی مولوی منظور نعمانی۔ الفرقان لکھنؤ۔ ص ۴۳۔ رجب ۱۳۶۷ھ)

اس طرح مولوی عطاء اللہ بخاری دیوبندی نے پسرور ضلع سیالکوٹ میں خود تو علم غیب کا دعویٰ یوں کیا ''اب تک کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا، جو پاکستان کی 'پ' بھی بنا سکے۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۲۷۴) لیکن حضورﷺ کے متعلق موصوف اور ان کی پوری پارٹی کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کو کل اور دیوار کے پیچھے کی خبر نہیں۔

ارے تجھ کو کھائے تپ سقر
تیرے دل میں کس کا بخار ہے

قائداعظم علیہ الرحمۃ سے متعلق نظریات:

یہ تو تھی اسلام دشمنوں کی اس نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے بغض و عناد کی ہلکی سی جھلک، جن کی خصوصی توجہات سے یہ ملک پاکستان وجود میں آیا تھا۔ اب اس ملک میں اپنے دور میں حضور سرور کائناتﷺ کے ایک نمائندے حضرت قائد کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی، قارئین کی نظر کی جاتی ہے۔ قارئین نہایت توجہ سے اس کو پڑھیں اور ان مذہبی بہروپیوں کے 'ورثا' سے یہ سوال کریں کہ جس ہستی نے مسلمانان برصغیر پاک و ہند کی بہتری کے لئے انقلابی کارنامے سرانجام دیئے، کیا اس کا ذکر اس قدر عامیانہ انداز میں کرنا، ان کے شایان شان ہے؟

کیا ان کا یہ رویہ ان کی اخلاقی پستی اور ذہنی پسماندگی کا آئینہ دار نہیں؟

کیا بانی پاکستان سے ایسا بغض رکھنے والے کسی قسم کی رعایت اور عزت کے مستحق ہیں؟

(۱) احراری مولوی مظہر علی اظہر دیو بندی اپنی قلبی شقاوت کا اظہار کرتے ہوئے نہایت بے شرمی کے ساتھ 'قائداعظم' کو' کافراعظم' کہہ رہے ہیں۔ (العیاذ باللہ) ملاحظہ ہو!

''ایک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا   یہ قائداعظم ہے کہ ہے کافراعظم''

رئیس احمد جعفری نے بھی 'حیات محمد علی' نامی کتاب میں دیوبندی احراری مولویوں کا قائداعظم کو کافراعظم کہنا درج کیا ہے۔

(۲) ''رپورٹ تحقیقاتی عدالت'' میں دیوبندیوں کی جماعت احرار کے متعلق لکھا ہے کہ ''ان کے نزدیک لیگ'' اسلام کی طرف سے محض بے پرواہی نہ تھی بلکہ دشمن اسلام تھی۔ ان کے نزدیک قائداعظم، کافراعظم تھے (رپورٹ تحقیقاتی عدالت۔ ص ۲۷۴)

(۳) دیوبندی احراری مولویوں اور لیڈروں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ

''دس ہزار جناح اور شوکت اور ظفر'' جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جاسکتے ہیں'' (چمنستان۔ ص۔ ۱۶۵۔ از ظفر علی خاں)

سچ پوچھئے تو اگر ان لوگوں کو کلمہ پڑھنے کا ذرہ بھر بھی احساس ہوتا تو کہتے کہ ہم ایک جناح کی جوتی کی نوک پر دس کڑور نہرو گاندھی اور پٹیل قربان کرتے ہیں۔ لیکن دس ہزار جناح، شوکت اور ظفر کو ایک مشرک اور ہندو کی جوتی کی نوک پر قربان کر کے نہ جانے یہ اپنے کن طاغوتی آقاؤں کو خوش کرنا چاہتے تھے۔

پاکستان اور مسلم لیگ سے متعلق بیان بازی:

پھر غیر مقلدین اور اہل دیوبند صرف قائد ہی کے نہیں بلکہ پاکستان کے قیام اور خود مسلم لیگ کے بھی حامی نہ تھے اور وقتاً فوقتاً اپنی شقاوت قلبی کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ اور اکثر اوقات انہوں نے تہذیب اور اخلاقیات کا دامن بھی ہاتھ سے چھوڑ دیا چنانچہ ملاحظہ ہوں، محض چند بیانات

(۱) فخر الوہابیہ مولوی ابراہیم میر سیالکوٹی نے ۲۷۔ مئی ۱۹۴۹ء کو لاہور میں جمعیت وہابیہ مغربی پاکستان کے اجلاس میں خطبہ صدارت دیتے ہوئے واضح طور پر اس حقیقت کی قلعی ان الفاظ میں کھولی۔

''بہت سے متوسط درجے کے اہلحدیث عوام اور بعض علماء اور انگریزی دان وکلاء مودودی تھے۔ جو اپنا نام اسلامی جماعت رکھتے۔ یہ لوگ اگرچہ کانگریس کے خلاف آواز اٹھاتے تھے لیکن انہوں نے عملی طور پر مسلمانوں کی عام جماعت مسلم لیگ کو بھی ووٹ نہیں دیا۔ (احتفال الجمہور ص ۱۲)

(۲) وہابیہ نجدیہ کے مولوی عبدالقادر قصوری بھی کانگریسی تھے۔ (ماہنامہ ترجمان الحدیث ص ۵۵۔ مئی جون ۱۹۷۳ء (از مولوی احسان الٰہی ظہیر)

(۳) مولوی ابوالکلام آزاد بھی پکے کانگریسی اور مسلم لیگ کے مخالف تھے۔ (ترجمان الحدیث۔ ص ۵۸)

(۴) عبداللہ غزنوی اور داؤد غزنوی بھی صبح وشام کانگریس کے کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ (الجسر البلیغ۔ ص ۱۲۸۔ جلد اول)

(۵) اشرف علی تھانوی دیوبندی کا فتویٰ بھی سن لیں۔

''موجودہ لیگ خالص اسلامی جماعت اور مذہبی وشرعی تنظیم سواد اعظیم تسلیم نہیں کی جاسکتی'' (اشرف الافادات ص ۸)

(۶) مولوی عبدالجبار دیوبندی نے مسلم لیگ کے متعلق اشرف تھانوی کے نظریہ کو ان الفاظ میں پیش کیا کہ

''یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت حکیم الامت (اشرف تھانوی) مسلم لیگ جیسی بد دین جماعت کی حمایت کریں۔ (اشرف الافادات۔ ص ۱۸۔ مطبوعہ دہلی)

(۷) علمائے تھانہ بھون (دیوبندیوں) نے بالاتفاق مسلم لیگ کی مذمت کی۔ (اشرف الافادات۔ ص ۲۰)

(۸) مولوی عطاء اللہ بخاری کا یہ بیان بھی نہایت شرمناک ہے کہ

''جولوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سور ہیں اور سور کھانے والے ہیں۔(چمنستان ص ۱۶۵۔مصنفہ ظفر علی خان)

(۹) مولانا مودودی بھی قیام پاکستان کے مخالف تھے۔چنانچہ ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں۔''مسلم لیگ کی حمایت میں اگر کبھی کوئی لفظ میں نے لکھا ہو تو اس کا حوالہ دیا جائے''

(۱۰) ایک دوسرے شمارے میں مودودی اعلانیہ کہتے ہیں''ہم اس بات کا کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں کہ ہم تقسیم ملک کی جنگ سے غیر متعلق رہے۔''(ترجمان القرآن نومبر ۶۳ء)

(۱۱) مودودی مزید گل افشانی کرتے ہیں کہ''اس نام نہاد مسلم حکومت کے انتظار میں اپنا وقت ضائع کرنے یا اس کے قیام میں اپنی قوت ضائع کرنے کی حماقت آخر ہم کیوں کریں۔(سیاسی کشمکش ص ۱۷۰۔ج ۳)

(۱۲) زیڈ اے سلہری لکھتے ہیں کہ''مجھے ہمیشہ اس بات کا قلق رہا ہے کہ مولانا مودودی نے تحریک پاکستان میں شرکت نہیں کی۔(نوائے وقت۔۲۷۔مئی ۷۶ء)

(۱۳) پاکستان سے متعلق مولوی عطاء اللہ بخاری کی یہ ہرزہ سرائی بھی قابل گرفت ہے۔جوانہوں نے لاہور میں اپنی ایک تقریر میں کی کہ ''پاکستان ایک بازاری عورت ہے جس کو احرار (دیوبندیوں) نے مجبوراً قبول کیا''(رپورٹ تحقیقاتی عدالت۔ص ۲۷۵)

(۱۴) اسی دیوبندی مولوی نے تقسیم سے پہلے اور تقسیم کے بعد بھی پاکستان کے لئے 'پلیدستان' کا لفظ استعمال کیا۔(رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۲۷۵)

(۱۵) اسی مولوی نے ۲۷ دسمبر ۴۵ء میں علی پور کی احرار کانفرنس میں اپنی تقریر میں ڈنکے کی چوٹ پر کہا کہ''مسلم لیگ کے لیڈر'' بےعملوں کی ٹولی'' ہیں جنہیں اپنی عاقبت بھی یاد نہیں اور جو دوسروں کی عاقبت بھی خراب کر رہے ہیں اور جس مملکت کی تخلیق کرنا چاہتے ہیں وہ پاکستان نہیں بلکہ 'خاکستان ہے'(رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۲۷۴)

(۱۶) انہی علماء نے پاکستان کو سانپ قرار دیا تھا(حوالہ کیلئے دیکھیں۔تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء۔ص ۸۸۴)

انگریز حکومت کے ساتھ علمائے نجد و دیوبند کا رشتہ محبت و موّدت:

مسلم لیگ اور مجاہدین تحریک آزادی کا 'قصور' صرف اتنا ہی تو تھا ناں کہ انہوں نے قوم کو آزادی کے رستے پر چلایا اور منزل تک پہنچا کر دم لیا۔چلیں، ایسے خطہ ارضی کا حصول جس کو اسلام کی تجربہ گاہ بنایا جا سکے۔ان مخالفین اسلام و پاکستان کے نزدیک 'جرم' ہی سہی، لیکن انگریز کی اطاعت اور اس کو اپنے لئے رحمت قرار دینے کا ان کے پاس کیا جواز تھا؟ یہ علمائے نجد و دیوبند ان کی بےدام غلامی کا دم کیوں بھرتے رہے۔

حالانکہ قرآن تو دوٹوک اعلان کرتا ہے کہ

یا یھا الذین امنوا لا تتخذ و اابا ء کم و ابنا ء کم اولیا ء ان استجبو الکفر علی الا یمان ....(تو بہ آیت ۲۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو بھی دوست نہ بناؤ، اگر وہ کفر کو ایمان پر پسند کریں۔

نیز فرمایا!

یایھاالذین امنوا لا تتخذ و االیھود و النصر ی اولیا ء من دون المومنین

ترجمہ: اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست مت بناؤ۔مومنوں کو چھوڑ کر

قدرے تفصیل کیلئے مندرذیل سطور کو خوب اچھی طرح پڑھیں اور سمجھیں

(۱) انگریزی گورنمنٹ ہندوستان میں ہم مسلمانوں کے لئے خدا کی رحمت ہے" (الحیاۃ بعد المماۃ ۔ از فضل حسین بہاری)

(۲) خاص کر فرقہ اہلحدیث کیلئے تو کسی اسلامی سلطنت میں بھی یہ آزادی مذہب نصیب نہیں جو برٹش حکومت میں انہیں حاصل ہے۔ پس ان کا فرض مذہبی و منصبی ہے کہ وہ ایسی عادل اور مہربان گورنمنٹ کی مطیع و فرمانبردار (گویا مقلد) رعایا ہوں اور 'ہمیشہ' دعا گوئے سلطنت رہیں" (الدر المنثور فی تراجم اہل صادقفور۔ از عبدالرحیم عظیم آبادی) (فرقہ اہلحدیث جواب دیں کہ وہ کون سی آیت ہے، جس سے نماز کے بعد دعا مانگنا تو بدعت ثابت ہوتا ہو اور انگریز گورنمنٹ کے لئے 'ہمیشہ' دعا مانگنے کی اجازت ہو۔ نیز ثابت کریں کہ یہود و نصاریٰ کے لئے دعا مانگنا جائز ہے۔ حالانکہ قرآن تو سختی سے مشرکین کیلئے دعا مانگنے سے روکتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں

ماکان للنبی والذین امنوا ان یستغفر و اللمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ... (توبۃ ۔ آیت ۱۱۳)

نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کے لئے بخشش کی دعا کریں، اگر چہ وہ رشتہ دار ہوں۔

(۳) "زمانہ عذر میں جو لوگ سرکار انگریزی سے لڑے اور عہد شکنی کی، وہ جہاد نہ تھا، فساد تھا۔" (از نواب صدیق حسن ۔ ترجمان وہابیہ ص ۸۴)

(۴) مولوی محمد حسین بٹالوی (مجتہد فرقہ وہابیہ) جو کہ ہندوستان کی جماعت اہلحدیث کے سربراہ تھے نے سرکار انگریزی کی اطاعت کو واجب قرار دیا۔" (ہندوستان میں پہلی اسلامی تحریک ص ۲۹)

(۵) اسی مولوی نے **1857**ء میں انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی لڑنے والے سب مسلمانوں کو باغی اور مستحق سزا قرار دیا۔

(۶) مولوی اسمٰعیل دہلوی نے کلکتہ میں برملا مجلس وعظ میں کہا کہ "ہم کو انگریزوں سے جہاد کرنا جائز نہیں ہے" (اشاعۃ السنۃ ۔ ص ۵ ۔ ضمیمہ نمبر ۶ ۔ ج ۲) یاد رہے کہ یہی بٹالوی صاحب تھے جنہوں نے باقاعدہ حکومت برطانیہ کو ارکان جماعت اہلحدیث کی طرف سے ایک درخواست پیش کی تھی کہ آئندہ انہیں وہابی کی بجائے اہلحدیث کہا جائے۔ پھر حکومت کی جانب سے باقاعدہ اس کی منظوری دی گئی۔ معلوم ہوا کہ یہ نام 'اہلحدیث' انگریز سرکار کا عطا کردہ ہے (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ۔ از محمد ایوب قادری)

(ص) مولوی ثناء اللہ امرتسری نے فتویٰ دیا تھا کہ "اس (انگریز) سلطنت کے برخلاف پوشیدہ سازشیں اسلام کے خلاف ہیں۔ (روئداد اہلحدیث کانفرنس ۔ ص ۸)

"مشتِ نمود از خروارے" کے طور پر غیر مقلدین اور اہل دیوبند کے چند نظریات تحریر کئے گئے ہیں۔ یہ مضمون اس سے زیادہ تفصیل کا متحمل نہیں ہو سکتا ورنہ سینکڑوں مزید بیانات پیش کئے جا سکتے تھے۔ عوام کو چاہئے کہ ان حقائق کو تسلیم کریں اور ان گمراہ فرقوں کی اسلام دشمنی اور ملک دشمنی سے باخبر ہو کر ان سے کنارہ کشی اختیار کریں اور ملک کی بنیادیں مضبوط سے مضبوط تر کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے ابھی تک پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔ کچھ عرصہ قبل پاکستان کی سرزمین پر 'دیوبند کانفرنس' میں مولانا اسعد مدنی نے کس طرح حکومت ہند کا نمک حلال کیا تھا اور پاکستان کے خلاف اسی کی سرزمین پر ہرزہ سرائی کی تھی۔ مگر مولانا فضل الرحمٰن جو اس کے میزبان و مہتمم تھے، نے کیا کوئی احتجاج کیا؟ ہرگز نہیں۔ خود مولانا فضل الرحمٰن نے بے نظیر بھٹو کے دور میں پاکستان کو اس صدی کا سب سے بڑا فراڈ قرار دیا تھا۔ اور ان کے والد مفتی محمود نے ذوالفقار بھٹو کے دور میں کہا تھا کہ خدا کا شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں ہوئے (معاذ اللہ) اس کا بروقت جواب مولانا عبدالستار خان نیازی علیہ الرحمۃ نے یوں دیا تھا کہ 'او مفتے کیا بک رہے ہو۔ خدا کا شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے ثواب میں شریک تھے' نیز کشمیر کے شہداء کی قربانیوں پر مولانا فضل الرحمٰن نے یہ کہہ کہ پانی پھیر دیا کہ یہ زمین پر قبضے کی جنگ ہے اس کو جہاد نہیں کہا جا سکتا۔ (جنگ ۳ مارچ ۲۰۰۲ء سنڈے میگزین) خدا حق بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ملک سے دشمنان اسلام و پاکستان کا خاتمہ فرمائے (آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم)

سجدہ کے احکام

محقق دوراں حافظ محمد نصر اللہ حسینی آسوتی «مدینہ شریف»

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سات اعضاء پر سجدہ کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا، اور نماز کی حالت میں بالوں کو سنوارنے اور کپڑے سمیٹنے سے منع کیا گیا (اور وہ سات ہڈیاں یہ ہیں) دونوں ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے، دونوں قدم اور پیشانی۔(مسلم حدیث 490 بخاری 809 مشکوۃ 887 ابو داود 892 ترمذی 272 نسائی 1093 ابن ماجہ 885)

اعضاء سجود کے بیان میں مذاہب: امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل تمام ائمہ حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ سات اعضاء پر سجدہ کرنا مشروع ہے، جن میں پیشانی، دو ہاتھ، دو گھٹنے اور دو قدم شامل ہیں البتہ ناک کے بارے میں اختلاف ہے۔(المغنی 303/1)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک پیشانی یا ناک میں سے کسی ایک پر سجدہ کرنا فرض ہے اور پیشانی کے ساتھ ناک بھی لگانا سنت یا مستحب ہے۔ اگر ناک نہ لگی تب بھی سجدہ ہو جائے گا کیونکہ مسلم شریف کے اس باب کی پہلی حدیث میں ناک کا ذکر نہیں ہے اگر واجب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ہر موقع پر پیشانی کے ساتھ ناک کا بھی ذکر کرتے، فقہاء احناف میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک بلا عذر ناک پر بھی سجدہ کرنا واجب ہے اور اگر عذر ہو اور ناک نہ لگے تو کوئی حرج نہیں ہے امام ابوحنیفہ سے بھی ایک روایت اس کے مطابق ہے۔(فتح القدیر 263/1)

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اگر پیشانی پر سجدہ کیا اور ناک نہ لگی تو کوئی حرج نہیں اور اگر ناک پر سجدہ کیا اور پیشانی نہیں لگی تو سجدہ نہیں ہوگا ان کا استدلال بھی اسی حدیث سے ہے جس سے امام اعظم کا استدلال ہے۔(بدایۃ المجتہد 100/1)

امام شافعی کے نزدیک سجدہ میں ناک اور پیشانی دونوں کا لگانا واجب ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے پیشانی کے ساتھ ناک کا بھی ذکر کیا ہے اور وہ ناک اور پیشانی کو ملا کر ایک عضو قرار دیتے ہیں تا کہ اعضاء کی تعداد سات سے متجاوز نہ ہو

۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا، پیشانی پر اور اپنے ہاتھ سے ناک کی طرف اشارہ کیا اور دونوں ہاتھوں دونوں گھٹنوں اور دونوں قدموں کی انگلیوں پر اور یہ حکم دیا گیا کہ نہ بالوں کو سنواروں اور نہ کپڑوں کو موڑوں۔(مسلم حدیث 490 بخاری 812 مشکوۃ 887)

تاہم ان کا ایک قول امام اعظم کے موافق بھی ہے اور یہی مختار ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا اور ناک نہیں لگائی۔(المہذب 83/1)

امام احمد بن حنبل پیشانی کے ساتھ ناک پر سجدہ کو بھی واجب قرار دیتے ہیں ان کا استدلال اس حدیث سے ہے۔عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کی پیشانی کے ساتھ ناک (سجدہ میں) نہیں لگتی اس کی نماز نہیں ہوتی۔دار قطنی 348/1 ابن قدامہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے۔(المغنی 403/1)

فقہاء احناف کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ نفی کمال پر محمول ہے اسی طرح جن احادیث میں---ناک کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی استحباب پر محمول ہیں امام اعظم کے مسلک کی تائید میں وہ احادیث ہیں جن کو ائمہ ستہ نے روایت کیا

بخاری باب السجود علی سبعة اعظم ابو داود والنسائی باب السجود علی الیدین، ترمذی باب السجود علی سبعة أعضاء، ابن ماجه باب السجود (مسلم حدیث 490 بخاری 809 مشکوۃ 887، ابوداود 892 ترمذی 272 نسائی 1093 ابن ماجہ 885) ان تمام احادیث میں ناک کا ذکر نہیں ہے۔نیز

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ پیشانی کے اوپر والے حصے پر سجدہ کر رہے تھے۔(دار قطنی 349/1)

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سجدہ میں پیشانی کا لگانا فرض ہے اور اس کے ساتھ ناک لگانا سنت یا مستحب ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا یہی مسلک ہے۔،امام شافعی کا مختار قول یہی ہے البتہ امام احمد ناک اور پیشانی دونوں کو سجدہ میں لگانا واجب قرار دیتے ہیں۔

سجدہ میں پہلے ہاتھ رکھے جائیں یا گھٹنے: امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کا مشہور مسلک یہ ہے کہ نمازی سجدہ میں جاتے وقت پہلے زمین پر گھٹنے رکھے پھر ہاتھ پھر چہرہ اور امام مالک کا مسلک اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ نمازی سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ پھر گھٹنے رکھے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص سجدہ کرے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھے اور اونٹ کی طرح نہ بیٹھے۔(ابوداود حدیث 840 ترمذی حدیث 269 مشکوۃ 899)

اور جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے۔

حضرت وائل بن حجر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا، آپ نے ہاتھوں سے

پہلے گھٹنوں کو رکھا اور جب سجدہ سے اٹھے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھ اٹھائے (ابو داود 838 نسائی 206/2، ترمذی 268 دارمی 1320، ابن ماجہ حدیث 882 مشکوۃ 898)

اور ابوسلیمان خطابی نے بیان کیا کہ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے زیادہ قوی ہے اور حضرت ابوسعید بیان کرتے ہیں کہ ہم (سجدہ میں) گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھا کرتے تھے تو ہمیں حکم دیا گیا کہ ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھیں اور یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے، اثرم نے حضرت ابو ہریرہ سے ہی روایت کی ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص سجدہ کرے تو ہاتھوں سے پہلے (زمین پر) گھٹنے رکھے اور اونٹ کی طرح نہ بیٹھے۔ (المغنی 304/1)

اثرم کی روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت مضطرب ہے اور حضرت ابوسعید کی روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت منسوخ ہے اس لئے منسوخ اور مضطرب روایت کو چھوڑ کر حضرت وائل بن حجر کی روایت پر عمل کرنا چاہئے کہ نمازی سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھے پھر ہاتھ پھر چہرہ رکھے اور جب سجدہ سے اٹھے تو پہلے چہرہ پھر ہاتھ اور گھٹنے اٹھائے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں: قیاس سے بھی دوسرے مسلک کو تقویت و تائید حاصل ہوتی ہے وہ یوں کہ اعضائے سجدہ سات ہیں لہذا جن اعضاء کے رکھنے میں اتفاق ہے ان پر ہاتھ اور گھٹنوں کے رکھنے کو قیاس کرلیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہاتھوں اور گھٹنوں کے بعد سر کو زمین پر رکھا جاتا ہے اور اٹھتے وقت پہلے سر اٹھایا جاتا ہے پھر ہاتھ اور اس کے بعد گھٹنے اٹھائے جاتے ہیں اس پر سب کا اتفاق ہے لہذا رکھنے میں اس کا اُلٹ ترتیب ہوگی یعنی پہلے گھٹنے اس کے بعد ہاتھ اور اس کے بعد سر رکھا جائے اور یہ حدیث وائل بن حجر کے مطابق ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ (طحاوی باب مایبدا ابوضعہ فی السجود 256/1-254)

سجدہ میں پیر زمین پر رکھنے کی تحقیق: بعض متاخرین مشائخ، احناف (قدوری، کرخی اور جصاص) نے یہ کہا ہے کہ سجدہ میں دونوں پیروں کا رکھنا فرض ہے اور بعض نے کہا ہے کہ صرف ایک پیر کا رکھنا فرض ہے لیکن یہ اقوال صحیح نہیں ہیں کیونکہ ہمارے ائمہ نے یہ تصریح کی ہے کہ سجدہ میں صرف چہرے کے بعض حصہ کو رکھنا فرض ہے، اور ہاتھوں اور گھٹنوں کا رکھنا فرض نہیں ہے۔

مولانا امجد علی صاحب لکھتے ہیں: پیشانی کا زمین پر جمنا سجدہ کی حقیقت ہے، اور پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ لگنا شرط۔ تو اگر کسی نے اس طرح سجدہ کیا کہ دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہیں نماز نہ ہوئی بلکہ اگر صرف انگلی کی نوک زمین سے لگی جب بھی نہ ہوئی اس مسئلہ سے بہت لوگ غافل ہیں (بہار شریعت 58/3 مطبوعہ شیخ غلام علی کراچی)

مولانا امجد علی صاحب نے یہ صحیح لکھا ہے کہ "پیشانی کا زمین پر جمنا سجدہ کی حقیقت ہے"، البتہ ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ پیروں کا زمین پر رکھنا شرط ہے۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پیشانی یا ناک کو زمین پر رکھنا سجدہ ہے۔ (مبسوط 189/1)

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: نمازی ناک اور پیشانی پر سجدہ کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس پر دوام کیا ہے اگر ان میں سے کسی ایک پر اقتصار کیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ چہرے کے بعض حصہ کو رکھنے سے سجدہ متحقق ہو جاتا ہے اور قرآن مجید میں اسی کا حکم دیا گیا ہے اور ہاتھوں اور گھٹنوں کا رکھنا ہمارے نزدیک سنت ہے کیوں کہ ان کے بغیر سجدہ متحقق ہو جاتا ہے رہا دونوں پیروں کا زمین پر رکھنا تو قدوری نے ذکر کیا ہے کہ یہ بھی سجدہ میں فرض ہے۔ (ہدایہ اولین 90/1)

علامہ زین الدین ابن نجیم لکھتے ہیں:

﴿رسول اللہ ﷺ نے فرمایا﴾

مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا، پیشانی پر اور اپنے ہاتھ سے ناک کی طرف اشارہ کیا اور دونوں ہاتھوں دونوں گھٹنوں اور دونوں قدموں کی انگلیوں پر اور یہ حکم دیا گیا کہ نہ بالوں کو سنواروں اور کپڑوں کو موڑوں۔ (مسلم حدیث 490 بخاری 812 مشکوۃ 887)

اس حدیث سے ان اعضاء پر سجدہ کرنے کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ حدیث ظنی الثبوت اور ظنی الدلالۃ ہے کیونکہ ''امرتُ،، مجھے حکم دیا گیا ہے۔ یہ لفظ وجوب اور استحباب دونوں میں مستعمل ہے اس لئے صاحبین کا پیشانی اور ناک دونوں پر سجدہ کرنے کو فرض قرار دینا موجب اشکال ہے۔ کیونکہ اس صورت میں خبر واحد سے قرآن مجید پر زیادتی لازم آتی ہے اور امام ابوحنیفہ کی طرح صاحبین کے نزدیک بھی یہ جائز نہیں ہے۔ (البحر الرائق 317/1)

اور علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں: ''اُمِـرْتُ،، (مجھے حکم دیا گیا ہے) کا لفظ وجوب اور استحباب میں عام ہے اور اس کا معنیٰ ہے مجھ سے اس کو طلب کیا گیا ہے، اور یہ پیشانی میں وجوب کے لئے ہے اور باقی میں وجوب کے ساتھ استحباب کے لئے یا بالخصوص استحباب کے لئے ہے۔ (فتح القدیر 264/1)

علامہ ابن نجیم اور علامہ ابن ہمام کی عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں سجدہ کا حکم دیا گیا ہے اس لئے سجدہ فرض ہے اور سجدہ کی حقیقت زمین پر چہرہ کو رکھنا ہے اور زمین پر پیشانی یا ناک لگنے سے زمین پر چہرہ لگ جاتا ہے، اس لئے پیشانی یا ناک میں سے کسی ایک کے لگنے سے فرض سجدہ ادا ہو جاتا ہے اور حدیث میں جن سات اعضاء پر سجدہ کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے صرف پیشانی کو زمین پر رکھنا فرض ہے جو کہ قرآن مجید کے مطابق ہے اور باقی اعضاء یعنی دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پیر سوان کا زمین پر رکھنا مستحب ہے، کیونکہ خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی اور علامہ مرغینانی نے قدوری سے جو یہ نقل کیا ہے کہ سجدہ میں پیروں کا زمین پر رکھنا فرض ہے تو اس کے متعلق علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

قدوری نے یہ ذکر کیا ہے ''کہ سجدہ میں پیروں کا زمین پر رکھنا فرض ہے،، یہ ضعیف قول ہے اور رہا ہاتھوں اور گھٹنوں کا رکھنا تو یہ ظاہر الروایت کے مطابق ان کا رکھنا بھی فرض نہیں ہے، تجنیس اور خلاصہ الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ ہمارے مشائخ کا اسی پر فتویٰ ہے۔ اور شیخ

الاسلام کا مذہب یہ ہے کہ دونوں پاؤں کا سجدہ میں زمین پر رکھنا سنت ہے اور دونوں کا اٹھانا مکروہ تنزیہی ہے۔(البحر الرائق 318/1 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

غور فرمایئے کہ جب بخاری اور مسلم کی حدیث صحیح سے بھی سجدہ میں پاؤں کے رکھنے کی فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی تو قدوری، جصاص، کرخی اور صاحب الخلاصہ میں یہ طاقت کہاں سے آجائے گی کہ ان کے اقوال کی بناء پر سجدوں میں پاؤں کا رکھنا فرض ہوجائے اور رسول اللہ ﷺ کے صریح ارشاد سے پاؤں کے رکھنے کی فرضیت ثابت نہ ہو اور خبر واحد سے قرآن مجید کے مطلق کی تقیید لازم آئے اور یہ جائز نہ ہو اور قدوری، جصاص اور کرخی کے اقوال اور ان کی آراء سے فرضیت ثابت ہوجائے اور قرآن مجید کی تقیید جائز ہوجائے۔ فیاللاسف !

خلاصہ یہ ہے کہ زمین پر پیشانی کا رکھنا خصوصیت کے ساتھ پاؤں پر موقوف نہیں ہے بلکہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ گھٹنوں اور پاؤں میں سے کسی ایک پر لا علی التعیین موقوف ہے اس لئے ہاتھوں کے ساتھ ان دو اعضاء میں سے کسی ایک کا زمین پر رکھنا واجب ہے اور دونوں کا بیک وقت رکھنا سنت ہے، اور جب نمازی نے سجدہ میں دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے رکھے ہوئے ہوں اور دونوں پاؤں زمین سے اٹھ جائیں تو یہ مکروہ تنزیہی ہے اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی اِلا یہ کہ کوئی نمازی حد فاحش تک پیر بالکل اوپر اٹھالے تو یہ عمل تلاعب کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہوگا۔

سجدہ میں کسی ایک انگلی کے پیٹ لگانے کے فرض نہ ہونے کی تحقیق: ہمارے زمانہ میں یہ مشہور کردیا گیا کہ سجدہ میں کم از کم ایک انگلی کا پیٹ لگانا بایں طور کہ انگلی کا پیٹ قبلہ کی طرف ہو، فرض ہے اور اگر سجدہ میں کسی انگلی کا پیٹ زمین پر نہیں لگا تو نماز فاسد ہوجائے گی، یہ قول بھی بلا دلیل اور باطل ہے کیونکہ جب پاؤں کا رکھنا ہی فرض نہیں ہے تو کسی انگلی کا پیٹ لگانا کیسے فرض ہوگا! اور اس کی بنیاد درمختار کی ایک عبارت پر ہے۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

سجدہ میں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرکے رکھنا خواہ ایک انگلی ہو یہ فرض ہے ورنہ نماز جائز نہ ہوگی اور لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں۔

(درمختار علی ہامش ردالمحتار 467/1)

علامہ ابن عابدین شامی اس عبارت کے متعلق لکھتے ہیں:

بلکہ اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ قبلہ کی طرف انگلیوں کو متوجہ کرنا سنت ہے اور اس کا ترک مکروہ تنزیہی ہے جیسا کہ برجندی اور قہستانی میں ہے۔(ردالمحتار 467/1)

محقق ابن ہمام نے زاد الفقیر میں لکھا ہے کہ سجدہ کی سنتوں میں سے ہے کہ انگلیوں کے سروں کو قبلہ کی طرف کیا جائے اور گھٹنوں کو زمین پر رکھا جائے اور پاؤں کے رکھنے کے حکم میں اختلاف ہے۔ اس عبارت میں ہمارے موقف کی تصریح ہے کیونکہ علامہ ابن ہمام نے وثوق سے کہا ہے کہ انگلیوں کے سروں کو قبلہ کی طرف کرنا سنت ہے، اور یہ کہا کہ اصل اختلاف پاؤں کے رکھنے کے حکم میں ہے کہ آیا پاؤں کو رکھنا فرض ہے یا واجب ہے یا سنت ہے۔(ردالمحتار 470-471/1 مطبوعہ عثمانیہ استنبول)

تحقیق یہ ہے کہ سجدہ میں دونوں یا کسی ایک پیر کا رکھنا فرض نہیں ہے، نہ واجب ہے اور نہ کسی ایک انگلی کے پیٹ کا لگانا سجدہ میں فرض یا

وجب ہے، اور جب سجدہ میں نمازی کے دونوں پیر اور دونوں گھٹنے زمین پر ہوں اور اس کے دونوں یا ایک پیر زمین سے اٹھ جائے یا اس کی کسی بھی انگلی کا پیٹ زمین پر نہ لگے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ یہ عمل سنت کے خلاف ہے اور صرف مکروہ تنزیہی ہے۔

ہمارے زمانہ میں بعض متشدد لوگ نماز میں لوگوں کی انگلیاں دیکھتے رہتے ہیں اور اگر کسی امام کی نماز میں کوئی انگلی زمین سے نہ لگے تو اس امام کے خلاف فتوں کا طوفان اٹھا لیتے ہیں اور اس غریب کو مسجد سے نکال کر دم لیتے ہیں، کیونکہ عام دستیاب اردو کی کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ سجدہ میں کسی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر رکھنا فرض ہے۔ ہر چند کہ بعض متاخرین مشائخ احناف نے اسی طرح لکھا ہے لیکن ان کا یہ قول صریح قرآن، احادیث اور امام ابوحنیفہ امام ابویوسف اور امام محمد اور ان کے بعد شیخ الاسلام، امام سرخسی، امام تمرتاشی، علامہ شامی اور دیگر محققین کی تصریح کے خلاف ہے۔ کیونکہ سجدہ کی حقیقت صرف پیشانی یا ناک کو زمین پر رکھنا ہے اور بس! البتہ اس کے تحقق کے لئے ہاتھوں کے ساتھ گھٹنوں یا پاؤں میں سے کسی ایک کا لا علی التعیین زمین پر رکھنا واجب ہے کیونکہ فرض کا مقدمہ فرض ہوتا ہے اور چونکہ یہ فرض ظنی ہے اس لئے حکماً واجب ہے۔ ہم کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رکھنی چاہئے کہ ہم صرف مبلغ ہیں شارع نہیں ہیں، کسی چیز کو فرض یا واجب اور سنت یا مستحب قرار دینا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا منصب ہے، ہم بغیر شرعی دلیل کے کسی چیز کو فرض نہیں کہہ سکتے۔

نماز میں کپڑا موڑنے یا اڑسنے اور بال سنوارنے کا شرعی حکم: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور مجھے نماز کی حالت میں بالوں کو سنوارنے اور کپڑے سمیٹنے سے منع کیا گیا۔ (مسلم حدیث 490 بخاری 812 مشکوۃ 887)

ان احادیث میں نماز کی حالت میں کپڑے موڑنے یا بالوں کا جوڑا بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس طرح نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے اور جس شخص نے کپڑے موڑ کر نماز پڑھی اس کی نماز ہو جائے گی ان کی دلیل مسلم شریف کے اس باب کی آخری حدیث ہے جس میں ہے کہ عبداللہ بن حارث بالوں کا جوڑا بنائے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے بالوں کو کھول دیا مسلم حدیث 492 اور نماز دہرانے کا حکم نہیں دیا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ نہی تنزیہی ہے۔ (المغنی 670/1)

احناف کی کتب میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء احناف کا کپڑا موڑنے میں اختلاف ہے بعض فقہاء کے نزدیک اگر کہنیوں تک آستین چڑھائے تو مکروہ ہے اور کہنیوں سے کم تک آستین چڑھائے تو مکروہ نہیں ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے۔ (البحر الرائق 24/2)

بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن فقہاء نے نمازی کے کپڑا موڑنے کو مکروہ قرار دیا ہے اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے اور جنہوں نے کراہت کی نفی کی ہے۔ اس سے مراد بھی مکروہ تحریمی کی نفی ہے اور مکروہ تنزیہی ان کے نزدیک بھی ثابت ہے اسی طرح نماز میں کپڑا لٹکانے میں فقہاء کا اختلاف ہے اور علامہ شامی نے تصریح کی ہے کہ کراہیت ثابت کرنے والوں کی مراد کراہت تحریمہ ہے اور نفی کرنے والے بھی کراہت تحریمہ کی نفی کرتے ہیں، کراہت تنزیہی ان کے نزدیک بھی ثابت ہے۔ (منحۃ الخالق علی حاشیہ البحر الرائق 24/1)

کپڑا موڑنے میں آستیوں کو چڑھانا، پائچوں کو موڑنا اور ٹخنے کے قریب شلوار یا پاجامہ کو اڑس لینا یہ سب شامل ہیں اور یہ فعل مکروہ تحریمی ہے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے جس شخص نے نماز کے واجبات میں سے کسی واجب کو ترک کیا یا کسی مکروہ تحریمی کا ارتکاب کیا اس پر واجب ہے کہ وقت میں نماز کا اعادہ کرے، اور اگر وقت نکل گیا تو وہ گنہگار ہوگا اور وقت نکلنے کے بعد اعادہ کرنا افضل ہے، اعادہ کے وجوب میں اختلاف ہے۔ (ردالمحتار 677/1)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجاھدین ختم نبوت متوجه ھوں

نحمدہ و نصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

فتح باب نبوت پہ بے حد درود ☆ ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام

قارئین کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہمارے آقا و مولا پیارے نبی حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ آپ پر سلسلہ نبوت تمام ہو چکا ہے۔ اس عقیدہ ختم نبوت امت مسلمہ کا شروع سے اجماع ہے اور پھر یہ ضروریات دین میں سے ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت احمد مجتبیٰ، محمد مصطفی ﷺ کے بعد کسی کو نبی ماننا یا جو آپ کے آخری نبی ہونے میں شک کرے وہ بھی بالا جماع کافر ہے۔

منکرین رسالت نے ہر دور میں اس اجماعی عقیدے پر حملہ آور ہونے کی ناکام کوشش کی ہے۔ نئے نئے مدعیان نبوت سامنے آئے لیکن مجاہدین تحفظ ختم نبوت نے ان مدعیان کا بروقت تعاقب کیا اور گلشن اسلام کی پاسبانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ یوں تو برصغیر میں منکرین رسالت کے کئی گروہ ہیں لیکن ان میں انگریز کا خود کاشتہ "فتنہ قادیانیت" نمایاں طور پر سامنے آیا۔ اس فتنہ کی قیادت گورداسپور کے مرزا غلام احمد قادیانی کے حصے میں آئی جس نے مجددیت سے نبوت کا اپنا پرفریب جال پھیلایا اور کئی سادہ لوح مسلمانوں کو ورغلایا۔

اہلسنت والجماعت کے عظیم علماء ومشائخ نے اس فتنہ کے خلاف بھرپور جہاد کیا اور سادہ لوح مسلمانوں کو اس کے دام فریب سے بچانے کی سعی فرمائی۔ سنی علماء ومشائخ نے مرزا اور اسکی ذریت کے ساتھ اس کے کافرانہ دعوے پر کامیاب مناظرے، مباہلے، مباحثے کئے۔ اور اس کی تردید میں بے شمار لاجواب کتابیں لکھیں۔ اگر چہ وقتی طور پر یہ فتنہ دب گیا لیکن مکمل طور پر ختم نہ ہو سکا، یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اہل سنت کی کاوشوں سے مملکت خداداد پاکستان نے سرکاری طور پر منکرین رسالت کے اس گروہ کو کافر قرار دیا۔ اگر چہ دیگر مکاتب فکر نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا لیکن اس عظیم تحریک میں اہلسنت کی خدمات نہایت روشن اور نمایاں ہیں۔ آج اس فتنے کو تقریباً ایک صدی ہو چکی ہے۔ قادیانیت کی ذریت آج دوبارہ پر پرزے نکال رہی ہے۔ عصر حاضر کے سنی علماء ومشائخ کی خدمت میں دردمندانہ گزارش ہے کہ وہ میدان عمل میں آئیں اور اپنے عظیم اسلاف کی یاد تازہ کر دیں۔

ع نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

تحریک شیران اسلام پاکستان کے ترجمان "الحقیقہ" کا ایک عظیم اور ضخیم "تحفظ ختم نبوت" کا اجراء عمل میں لایا جا رہا ہے۔ جو عقیدہ ختم نبوت پر ایک اہم دستاویز ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ

آپ کی خدمت میں التماس ہے کہ آپ اس عظیم نمبر کو کامیاب بنانے کیلئے آگے بڑھیں اور اپنے رشحات قلم سے نوازیں

عقیدہ ختم نبوت، تحریک ختم نبوت 1953 اور 1974 کی تحریک ختم نبوت میں سنی علماء ومشائخ کا روشن کردار کسی ایک عنوان پر قلم اٹھائیں اور پہلی فرصت میں مقالہ ذیل درج پتے پر ارسال فرما کر ممنون فرمائیں نیز اس سلسلہ میں لٹریچر (کتب ورسائل) ارسال فرما کر اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ اپنے محبوب حضرت احمد مجتبیٰ، محمد مصطفی ﷺ کے طفیل آپ کو سلامت و با کرامت رکھے اور آپ کے علم وعمل میں برکات عطا فرمائے۔ آمین! ثم آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ اصحابہ اجمعین

والسلام مع الاکرام

گدائے کوئے مدینہ شریف

سید صابر حسین شاہ بخاری القادری مدیر اعلیٰ "مجلہ الحقیقہ"

ادارہ فروغ اسلام برہان شریف 0301-5437701

اُسے والی کہتے ہیں اللہ والے

دل و جاں کئے میں نے اس کے حوالے
سنبھالے میرا آقا ان کو سنبھالے
اُنہیں کے بچانے سے بچتا ہے ایماں
مگر جانتے ہیں یہ ایمان والے
بغاوت نہ کر سرور دوسرا سے
ارے مان کر ان کی ، ان کو منا لے
سوا ان کے ہے کون بیکس کا والی
جو اعدا کو روا کے ، جو طوفان ٹالے
وہ اللہ والا ہے والی سبھی کا
اُسے والی کہتے ہیں اللہ والے
تو دیکھ ان کے جلوے زمین و زماں میں
نظر پہ نہیں ہیں اگر تیری جالے
تو کر التجا ان کے انوار آئیں!
اِنہیں توڑ جو تیرے دل پہ ہیں تالے
یہی ہے بچاؤ کی صورت یہی ہے
کہ لَو اُن کے دربار ہی سے لگا لے
تصور میں کر اُن سے فریاد ہر دم
بچا لے مرے آقا! مجھ کو بچا لے
رضا کی زباں میں تو کر التجائیں
'مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے'
جو ہو شیخ راضی تو ممکن ہے آسی
تصور کو تیرے حقیقت میں ڈھالے

﴿حضور مفکر اسلام علیہ الرحمہ﴾

خطاب حضور مفکر اسلام علیہ الرحمۃ

سفر حج وزیارت

(سعید آسوی)

ولو اانهم اذ ظلموا انفسهم جاء ؤ ک فاستغفر الله و استغفرلهم الرسول لوجدو االله توابا رحیماo

حضرات گرامی! یہ ذیقعد شریف کا مہینہ ہے اور چند دنوں تک ذی الحج شروع ہو رہا ہے۔اس کی نو تاریخ کو عرفات کے میدان میں وقوف ہوگا۔اس عرفات کے میدان میں نو تاریخ ظہر کے وقت کو کچھ دیر ٹھہرنے کا نام حج ہے۔خوش نصیب لوگ جا رہے ہیں۔کچھ مکہ معظمہ پہنچ چکے ہیں۔کئی مدینہ منورہ کی گلیوں کی سیریں کر رہے ہیں۔محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ بے کس پناہ میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کر رہے ہیں کئی خوش نصیب پہنچ گئے۔کئی خوش نصیب تیار ہیں اور اس طرح عاشقوں کے قافلے جا رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پاک، سرور لولاک، سید کل، دانائے سبل حضور احمد مجتبیٰ محمد علیہ التحیۃ والثناء کے طفیل، ہمیں بھی یہ توفیق ارزانی فرمائے۔ہم بھی وہاں جائیں اور خان کعبہ کا طواف کریں۔اور محبوب کریم در یتیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی جالی مبارک کے سامنے صلوٰۃ وسلام پڑھیں۔یہ زندگی کی عظیم ترین گھڑی ہے۔جس میں بندہ اپنے رب کی بارگاہ میں اور امتی اپنے نبی کی بارگاہ میں اپنی حاضری پیش کرے۔

حج کی فضیلت:

بہرحال یہ سفر حج وزیارت نہایت عظیم سفر ہے۔رب تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس مسلمان پر حج فرض کیا ہے۔جو حج کی طاقت رکھتا ہے۔جو حج کے لئے جاسکتا ہے۔جس کے پاس اتنی رقم ہے خرچ کرے اور جسے کوئی رکاوٹ نہیں ایسے آدمی پر اللہ نے حج فرض کیا ہے۔اور پھر اس کے بے شمار فائدے ہیں۔بے شمار درجات ہیں سرکار علیہ السلام نے فرمایا جو حج کرتا ہے اس طرح ہو جاتا ہے گویا آج ہی اس کی ماں نے اسے جنا ہے۔جب ماں جنم دیتی ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔اسی طرح حج کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں رہتا۔حج کرنے والے کے لئے قدم قدم پر رب کی رحمتیں، قدم قدم پر بخشش کے اعلان۔محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، آدمی جب خانہ کعبہ کو دیکھتا ہے، پہلی نظر پڑتی ہے۔خانہ کعبہ پر، تو اس پہلی نظر کے پڑنے پر جو دعا مانگتا ہے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔وہ لوگ جو رب تعالیٰ کی رحمتوں سے ناشناس ہیں، وہ لوگ جو رب تعالیٰ کی رحمتوں کو معاذ اللہ محدود سمجھتے ہیں جس طرح ان کی اپنی رحمدلی محدود ہوتی ہے۔وہ جن کو اللہ کی رحمت کی وسعت پر ایمان نہیں ہوتا۔اس طرح کے لوگوں کی بات تو چھوڑیں، وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت پر یقین کامل رکھتے ہیں۔پھر وہ اپنے اپنے انداز میں وہاں جاتے ہیں اور جھولیاں بھر کے، بلکہ کیا کہنا چاہئے، جھولی بھی کچھ نہیں، بہت کچھ وہاں سے ملتا ہے۔حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کرنے گئے۔جب خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑی۔اب یہاں یاد رکھیں کہ وعدہ کیا تھا کہ پہلی نظر کے وقت جو دعا بھی مانگے، وہ دعا قبول ہوتی ہے۔یہ وعدہ ہے اور ان اللہ لا یخلف المیعاد

اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا اور وعدہ خلافی کرے ہی کیوں۔وعدہ خلافی کرنے کی صورت تو یہ ہوتی ہے۔کہ کوئی آدمی کہے کہ میں وعدہ تو کر بیٹھا تھا لیکن پورا کروں گا تو میرا بہت نقصان ہے۔رب تعالیٰ ویسے ہی نقصان سے پاک ہے۔رب کو نقصان ہو ہی نہیں سکتا۔اس کے خزانے بھرے ہیں۔جتنا مرضی کسی کو عطا فرمائے ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ ساری دنیا اکٹھی ہو جائے ایک میدان میں۔جتنے جن اور انسان ہیں۔یہ سب

ایک میدان میں اکٹھے ہو جائیں اور سب اپنی اپنی دعائیں پیش کریں رب کی بارگاہ میں اپنی مرادیں پیش کریں۔ یا اللہ مجھے یہ دے، کوئی کہے مجھے یہ دے۔ جتنے انسان ہیں، جن ہیں میں سب کہیں اور سب کی مرادیں پوری کر دے تو پھر بھی اس کی رحمت کے سمندر میں اتنی کمی بھی نہیں آتی جتنی سوئی کے سرے کو سمندر میں ڈال کر باہر نکال لیں تو جتنا پانی اس کے ساتھ باہر آتا ہے، رب تعالیٰ کی رحمتوں کا سمندر اس طرح ٹھاٹھیں مارتا ہے کہ سب کی مرادیں پوری ہو جائیں پھر بھی اس کے اس سمندر میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اس لئے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کو دیکھا۔ رب کی رحمت پر یقین کامل تھا۔ عرض کرنے لگے۔ یا اللہ، تیرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وعدہ فرمایا ہے۔ پہلی نظر خانہ کعبہ پر پڑتے ہی جو دعا مانگی جائے وہ ضرور پوری ہوتی ہے۔ میری دعا یہ ہے کہ آج کے بعد جو دعا بھی مانگوں قبول ہو۔ ایسے ایسے بزرگ ہوئے ہیں۔ رب نے اپنے محبوب سے، اپنے مقربین سے وعدہ فرمایا ہے، بخاری شریف کی حدیث ہے۔ **لئن سئلنی لا عطینه**

میرا کوئی ولی یا مقرب مجھ سے کوئی شے مانگے، تو میں ضرور ضرور دیتا ہوں۔ اس کی رحمت میں کوئی کمی آ ہی نہیں سکتی۔

مقصد یہ ہے عرض کرنے کا کہ یہ ایسی رحمت کا موقع ہے۔ مکہ معظمہ حرام ہے (جس مسجد کے درمیان میں خانہ کعبہ ہے اس مسجد کا نام مسجد حرام ہے) جہاں **120** رحمتیں ہر وقت نازل ہوتی ہیں۔ **60** ان کے لئے جو خانہ کعبہ کے ارد گرد طواف کرتے ہیں **40** ان کے لئے ہیں جو وہاں نماز، تلاوت، درود و وظائف وغیرہ کرتے ہیں۔ **20** رحمتیں ان کیلئے ہیں جو وہاں بیٹھ کر کچھ نہیں کرتے سوائے خانہ کعبہ کو دیکھنے کے ذرا اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھیں کہ صرف دیکھنے پر **20** رحمتیں عطا فرما رہا ہے۔ رب تعالیٰ کسی کو محروم نہیں رکھتا اور سچی یہ بات ہے کہ وہاں انوار کی بارشیں ہوتی ہیں۔

حج اور اسلام کا درس اتحاد یکجہتی:

آج کل بڑے بڑے بے دین قسم کے لوگ اور پروپیگنڈا کرنے والے لوگ کہتے ہیں جی مذہب کی قوت، اسلام کی قوت ختم ہو گئی ہے۔ مذہب کیا دیتا ہے وغیرہ وغیرہ میں کہتا ہوں، انسانوں کو اکٹھا کرنے کا پروگرام جس طرح اسلام نے دیا ہے اس کی مثال ہی نہیں ملتی۔ میں تھوڑی سی وضاحت کرتا ہوں۔ کچھ ہندو فلاسفر، عیسائی، رہبر، یہودی نمائندے، کچھ مسلمان علماء اکٹھے ہو جائیں، اس موضوع پر غور و فکر کریں کہ سب سے سچا مذہب کون سا ہے، ایسا مذہب کون سا ہے جو ساری انسانیت کو اکٹھا کرے یا وہ سب انسانیت کے لئے مفید ہو۔ وہ سوچیں اور معیار مقرر کریں گے۔ مثلاً ایک معیار ان کا یہ ہوگا کہ انسانیت کے لئے وہ مذہب نہایت ضروری ہے جس مذہب نے انسانیت کو اکٹھا کیا ہے۔ یہاں تفریقات ہیں۔ کوئی ہندی بولتا ہے، کوئی انگریزی بولتا ہے۔ کوئی فرانسیسی بولتا ہے۔ کوئی ڈچ بولتا ہے۔ مختلف زبانیں، مختلف علاقے، مختلف رنگ، ایک دوسرے کے ساتھ کوئی نسبت نہیں اور جو مذہب ان کو اکٹھا کرے وہ سچا مذہب ہے۔ اب دیکھ لیں، عیسائیت نے انسانیت کو اکٹھا کرنے کے لئے کیا کیا ہے۔ ان کی بائبل میں یہ لفظ موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ میں تو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو اکٹھا کرنے کے لئے آیا ہوں، یعنی سارا تعلق صرف بنی اسرائیل سے ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی طرف آئے ہیں۔ یونہی جو ہندوستان میں آیا۔ ہندوؤں کے لئے آیا۔ پھر ان کا الگ الگ بت۔ کسی نے کہا یہ بارش والا بت ہے۔ کسی نے کہا یہ موسم والا بت ہے۔ یہ لڑائی والا بت ہے۔ کسی نے کچھ کہا تو کسی نے کچھ۔ کوئی لڑائی کا خدا۔ کوئی آگ کا خدا۔ کوئی پانی کا خدا۔

اللہ اکبر! یہ دین اسلام ہے۔ جس کی پہلی آیت ہے۔

الحمد للہ رب العلمین: سب تعریفیں اس کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

صرف پنجابیوں کا نہیں، صرف پاکستانیوں کا نہیں، صرف ایشیا والوں کا نہیں، سارے جہاں جتنے بھی ہیں، وہ سب کا رب ہے۔

اسلام نے کس رب کا تعارف کرایا ہے، جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ زمینوں کا رب، آسمانوں کا رب، نبیوں کا رب، فرشتوں کا رب، رب المشارق والمغارب۔ سارے مشرقوں اور مغربوں کا رب اور جس نبی کا متعارف کرایا، جس نبی پر ایمان لانے کا حکم دیا وہ صرف عربوں کا ہی نبی نہیں،

ایشیا والوں کا ہی نہیں بلکہ صرف انسانوں کا ہی نبی نہیں، صرف انسانوں اور جنوں کا ہی نہیں بلکہ فرمایا

تبارک الذی نزل الفر قان نذیرا

سارے جہانوں کو ڈرانے والا بنا کر حضور علیہ الصلوٰۃ کو بھیجا ہے رب نے

و ماا ر سلنک الا حمته للعلمین

ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

عیسائیوں میں اب بھی تفریقات موجود ہیں یہ گوروں کا گرجا ہے۔ یہ کالوں کا گرجا ہے۔ یہ گوروں کا کالج ہے۔ یہ کالوں کا کالج ہے۔ یہ گورں کی یونیورسیٹی ہے، یہ کالوں کی یونیورسٹی ہے۔ اب بھی وہان اس بات کا شور ہے۔ لیکن ادھر آ کر دیکھو۔ نبی پاک علی الصلوٰۃ والسلام نے کیا کیا۔ قبائل کو شیر شکر کرنے والا

نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام قبائل کو باہم ملا دیا۔ تمام تفریقات ختم کر دیں۔ تمام انسانوں کو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اتحاد کا پیغام دیا۔ حج کے موقع پر دیکھیں۔ سارے مسلمان ایک ہی زبان بولتے ہیں، ایک ہی لباس میں ہوتے ہیں۔ ایک ہی جگہ اکٹھے ہو کر طواف کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہتے کہ پہلے عربوں کو کر لینے دو پھر حبشیوں کو کرنے لینے دو۔ کوئی انگریز مسلمان ہے تو وہیں کھڑا ہے۔ امریکہ سے آیا تو وہ بھی وہیں ہے۔ پاکستان سے گیا ہے تو بھی وہیں ہے۔ اکٹھے سارے طواف کرر ہے ہیں۔ اکٹھے نمازیں پڑھتے ہیں۔ اکٹھے حج کے میدان میں بولتے ہیں۔ گویا حج کیا ہے؟ مسلمانانِ عالم کی سالانہ کانفرنس یعنی انسانیت کو اکٹھا کرنے کے لئے جو اسلام نے کیا ہے دنیا مں کوئی اور مذہب ایسا نہیں کر سکا۔ نہ سوچ سکا اور نہ ہی اس کی یہ پاور (Power) تھی۔ یہ تمام توفیق رب نے اپنے سچے دین کو عطا فرمائیں۔ اور اس سچے دین کا بانی بنا کر بھیجا اپنے پیارے محبوب کریم روف، رحیم، در یتیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو۔

تصور طواف:

میرے پیرومرشد، ولی نعمت، قبلہ عالم، کاشف ہر غم، اعلیحضرت عظیم البرکت حضور پیر سید علی حسین شاہ صاحب نقش لاثانی قدس سرہ النورانی 1976ء میں تیسرے حج کے لئے گئے تو اس سگ دربار کو بھی ساتھ لے گئے۔ جاتے ہوئے کراچی چلے گئے۔ واپسی پر بھی کراچی ٹھہرے۔ وہاں بات چیت ہو رہی تھی کہ یہ جو طواف ہے اس کا درحقیقت تصور کیا ہے؟ پس منظر کیا ہے؟ میں نے کہ بات یہ ہے ہ پہلے رواج ہوتا تھا کہ دور سے مظلوم لوگ، پریشان حال لوگ، ظلم وستم کے ستائے لوگ قافلے بنا کر اپنے بادشاہ کے پاس جاتے تھے اور بادشاہ کے محل کے سات پھیرے لگاتے تھے۔ پھر بادشاہ سلامت باہر آتے۔ یہ اس کا دایاں ہاتھ چومتا تھا۔ اس طرح لوگ کرتے تھے بادشاہوں کے دور میں۔ تو جو شہنشاہ حقیقی ہے، اس کی بارگاہ میں آؤ، اس کے گھر کا طواف کرو۔ اس گھر کا طواف کرنے کے بعد حجر اسود چومو۔ یہ جو حجر اسود چومنا ہے یہ گویا رب کا دایاں ہاتھ ہے۔ رب ہاتھ سے پاک ہے، یاد رکھیں۔ رب جسم سے پاک ہے، ہاتھ سے پاک ہے۔ رواج یہ تھا کہ لوگ بادشاہ کا ہاتھ چومتے تھے۔ بادشاہ حقیقی تو ہاتھ سے پاک ہے۔ لہذا حجر اسود کو چوم لو۔ یہ گویا ایسا ہے جیسے اس کا ہاتھ چوما۔ جو شخص سن رہا تھا۔ اس نے کہا' کیا رب کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ بادشاہت کا دور ختم ہو جانا ہے، جمہوریت کا دور آنا ہے۔ اس میں صدر ہونا ہے وزیر اعظم ہونا ہے۔ بادشاہ تو ہونا ہی نہیں۔ تو پھر اس تصور کی بنیاد کیوں رکھی گئی۔ میں نے کہا۔ اسی لئے رکھی گئی کہ رب کو علم تھا کہ بادشاہتیں ختم ہو جانی ہیں۔ اگرچہ ابھی تک مکمل ختم نہیں ہوئیں۔ ایران میں ختم ہو گئی لیکن کیا سعودی عرب میں ہو گئی ہے؟ عراق، کویت، جاپان اور بھی کئی ملک ایسے ہیں۔ جہاں بادشاہت ہے۔ انگلینڈ میں بھی شاہی خاندان ہے۔ بہر حال، میں نے کہا کہ رب کو علم تھا اور اس کا علم۔ ماضی، حال، مستقبل سب پر حاوی ہے۔ اس لئے فرمایا یہ جھوٹی بادشاہتیں ختم ہو جاتی ہے۔ اور بادشاہ ہمیشہ رہنا ہے۔ شہنشاہ حقیقی ہمیشہ رہنا ہے۔ ان کے محلات کے اردگرد جو پھرتے ہو۔ یہ تو ختم ہونے والے ہیں۔ جو شہنشاہ حقیقی ہے اس کے گھر کے اردگرد آ کر پھیرے لگاؤ۔ یہ ہے تصو

رطواف عجیب منظر ہوتا ہے وہاں کعبے کی صدا۔

پھر علما کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ کا پرنالہ جسے میزاب رحمت کہتے ہیں یہ سیدھا مدینہ شریف کی طرف ہے۔اب بھی یہ رواج ہے لیکن تھوڑا ہے۔آج سے تیس چالیس سال پہلے زیادہ تھا کہ دکان کے آگے بورڈ لگا ہوتا تھا۔ہاتھ کا اشارہ بنا ہوتا کہ یہ کپڑے کی دکان ہے۔یہاں آٹا ملتا ہے۔عشاق کی نظر سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ یہ میزاب رحمت سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ پاک کی طرف اشارہ کرتا ہے اور گویا لوگوں سے کہتا ہے۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو

یہ میزاب رحمت اعلان کر رہا ہے۔

غور سے سن تو رضا کعبے سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے میرے پیارے کا روضہ دیکھو

(عاشق) پھر کعبے سے مدینے جاتے ہیں۔وہاں عجیب رحمتیں ہوتی ہیں۔

حاضری در رسول:

رب تعالیٰ فرماتا ہے

ولو انهم اذظلمو اانفسهم جاء ؤ ک

اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو اے محبوب آپ کی بارگاہ میں آئیں جانوں پر ظلم کرنا کیا ہے، گناہ کرنا۔

ذرا خیال فرمائیں۔رب کہاں بھیج رہا ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں ظلم اپنی جان پر کیا مگر جانا کہاں ہیں۔حضور کی بارگاہ میں۔

جو مدینہ شریف نہیں جانا چاہتے۔وہ بدبخت بابا فرید کے بہشتی دروازے کو جہنمی دروازہ کہیں۔معاذ اللہ تو ان سے اور کیا امید ہے، وہ تو حضور کے پاس جانے کو تیار نہیں۔جہاں جانے کو رب نے فرمایا اور لعن قطعی اور قرآن موجود ہے۔خدانخواستہ ثم خدانخواستہ میں کہتا ہوں کہ اگر قرآن کا حال بھی انجیل کی طرح ہوتا، زبور کی طرح ہوتا، توریت کی طرح ہوتا، تو اس بات کا کیا ثبوت دیتے کہ رب نے فرمایا حضور کی بارگاہ میں جاؤ۔کیونکہ ان کتابوں میں تو تبدیلیاں آگئیں۔وہ کہہ سکتے تھے تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔یہاں تو رب نے فرمایا

انا نحن نزلنا الذكر و اناله لحفظون

ترجمہ: ہم نے اس کتاب کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

کسی پادری کو، کسی پنڈت کو، مذہبی راہنما کو، انجیل توریت کی طرح یہ نہیں کہا کہ تم نے قرآن کی حفاظت کرنی ہے۔(یعنی جس طرح دیگر مذہبی کتابوں کی حفاظت کی ذمہ داری ان کے مذہبی پیشواؤں پر ڈالی اس طرح کا معاملہ یہاں نہیں کہ اے لوگو تم نے اس کی حفاظت کرنی ہے۔

اس قرآن کی ہم نے حفاظت کرنی ہے۔پھر اس نے حفاظت کی اور حق ادا کر دیا۔ایک شوشہ، ایک نقطہ، زیر زبر اس میں بدلی نہیں جا سکتی۔اس قرآن پاک میں جس کا ہر حکم اٹل ہے، اس قرآن پاک میں فرمایا

ولو انهم اذظلمو اانفسهم جاؤ ک

یعنی اے محبوب! یہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے آپ کے پاس آجائیں۔

یہاں آکر کیا کرنا ہے۔فاستغفروا اللہ۔رب کی بارگاہ میں استغفار کریں۔

اچھا ذرا یہ بتائیں کہ آپ ظلم کریں بکر کا۔آپ جرم کریں غلام رسول کا اور پھر معافی مانگتے ہو تو کس کے پاس جاتے ہیں۔غلام رسول کے در

حاجی غلام حیدر

اینڈ سنز جیگل

سمبڑیال روڈ ڈسکہ

پروپرائٹر ●● حاجی محمد اصغر

فون نمبر 611817 موبائل 0300-8613639

Monthly
Mujallah **AL-HAQIQA**

DECEMBER, 2007
Reg. No. C.P.L 68

بانی سرپرست

مہبطِ تجلیاتِ توحید شارحِ اسرارِ تفرید، وارثِ علومِ حبیبِ کریم ﷺ پیکرِ وسعتِ تصرفات، آئینہ کمالات و کرامات ترجمانِ حقیقت، شاہکارِ حضور نقش لاثانی حضور مفکرِ اسلام

حضور مفکرِ اسلام پروفیسر **محمد حسین آسی**

زیرِ تعمیر

نقش لاثانی اسلامک یونیورسٹی

چرمہائے قربانی دے کر ثوابِ دارین حاصل کریں

زیرِ سرپرستی

پیکرِ غیرت و حمیت سراپا عشقِ رسول ﷺ وارثِ حضور مفکرِ اسلام

صاحبزادہ محمد عطاء الحق صاحب نقشبندی حسینی

منجانب

شیرانِ اسلام پاکستان

نقش لاثانی نگر شکر گڑھ

0542-451734-0300-7764560
0300-7770633-0300-7766223